

میراث و وصیت
کے شرعی ضوابط

ڈاکٹر عبدالحی ابرٹو



شریعت اکیڈمی

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی۔ اسلام آباد

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

میراث و وصیت

کے شرعی ضوابط

ڈاکٹر عبدالحی ابرو



شریعی اکیڈمی

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی۔ اسلام آباد

297, 34

خ 32 م

۱۲۶۷۱۱

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

عنوان کتاب:	میراث و وصیت کے شرعی ضوابط
مؤلف:	ڈاکٹر عبدالحی ابرو
نظر ثانی:	حافظ احمد وقاص
ناشر:	شریعیہ اکیڈمی
اشاعت:	بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی۔ اسلام آباد جنوری ۲۰۱۵ء

SHARI'AH ACADEMY
International Islamic University, Faisal Masjid Campus
Islamabad Tel: +92 051 9261761 ext 289
Email: sapublication@gmail.com

کمپوزنگ: محمد آصف قریشی
مطبع: یونیک ویژن۔ اسلام آباد

فہرست

۹	ابتدائیہ
۱۱	حصہ اول: میراث
۱۳	تعارف
۱۵	باب ۱: مختلف مذاہب اور اقوام کے ہاں احکام وراثت
۱۵	- یہودیت میں قوانین وراثت
۱۶	- وراثت نصرانیت میں
۱۶	- رومی قانون وراثت
۱۷	- یونانی قانون وراثت
۱۸	- ہندومت میں قانون وراثت
۱۸	- قوانین وراثت مغربی ممالک میں
۱۹	- دور جاہلیت میں عربوں کا نظام وراثت
۲۱	باب ۲: ترکہ اور علم میراث۔ چند بنیادی مباحث
۲۱	وراثت۔ تعریف اور ارکان
۲۲	(-) تعریف ترکہ
۲۳	- ترکہ کے سلسلے میں چند مزید صورتیں
۲۸	علم میراث / علم الفرائض
۳۰	- علم میراث کی اہمیت و فضیلت
۳۱	- علم میراث کے مآخذ

- ۳۹ اسلام کے نظام وراثت کی چند اہم خصوصیات
- ۴۱ - مرد کا حصہ دو گنا کیوں؟
- ۴۶ ترکہ میت سے وابستہ حقوق
- ۴۶ - تجہیز و تکفین
- ۴۸ - قرض کی اداگی
- ۵۱ - تفضیل وصیت
- ۵۱ - وراثت میں تقسیم
- ۵۲ - وراثت کی ترتیب
- ۵۲ وراثت پانے کے اسباب، شرائط اور موانع
- ۵۲ - وراثت کے اسباب
- ۵۷ - وراثت کے شرائط
- ۵۸ - وراثت کے موانع
- ۶۵ باب ۳: ذوی الفروض
- ۶۷ - نقشہ اول: حصص اور مستحقین
- ۶۷ - نقشہ دوم: حالات ذوی الفروض و شرائط استحقاق
- ۷۳ باب ۴: عصبات
- ۷۴ عصبات کی قسمیں
- ۷۴ - عصبہ بالنفس
- ۷۶ - عصبہ بالغیر
- ۷۷ • اولاد میت کے احکام
- ۸۰ - عصبہ مع الغیر

۸۱	مسئلہ مشترکہ / ہمار یہ
۸۳	<u>یتیم پوتے کی وراثت</u>
۸۹	باب ۵: دادا کا میت کے حقیقی یا علاتی بہن بھائیوں کے ساتھ حصہ
۹۱	- میت کے حقیقی یا علاتی بھائی اور دادا
۹۳	- مقاسمۃ الجد میں طریق توریث
۹۷	باب ۶: حجب
۹۷	- حجب کی اقسام
۹۷	- حجب نقصان
۹۸	- حجب حرمان
۹۸	- ممنوع اور محبوب میں فرق
۱۰۳	باب ۷: وراثت کے حصوں کے عددی اصول
۱۰۹	باب ۸: عول
۱۰۹	- اصطلاحی معنی
۱۱۰	- عول کی ابتدا
۱۱۰	- عول کی صورتیں اور طریقہ
۱۱۳	باب ۹: رد
۱۱۳	- معنی و مفہوم
۱۱۳	- رد کی صورتیں
۱۱۴	- رد کے قواعد
۱۲۱	باب ۱۰: ذوی الارحام
۱۲۱	- معنی و مفہوم

۱۲۱	- ذوی الارحام کے اصناف
۱۲۲	- ذوی الارحام کے درمیان ترکے کی تقسیم
۱۲۷	• اہل التزویل کا نقطہ نظر
۱۲۹	باب ۱۱: تقسیم ترکہ کی خصوصی صورتیں
۱۲۹	- حمل
۱۳۳	- خُنْثٰی
۱۳۵	- مفقود الخبر
۱۳۶	- ولد الزنا
۱۳۷	احکام وراثت - جعفری نقطہ نظر
۱۳۹	پاکستان میں وراثت سے متعلق قوانین
۱۴۳	ضمیمہ: نقشہ ذوی الفروض (انگریزی)
۱۴۷	حصہ دوم: وصیت
۱۴۹	باب ۱: تمہیدی مباحث
۱۴۹	- تاریخی تناظر
۱۴۹	- وصیت اسلام میں
۱۵۰	- تعریف
۱۵۲	- مشروعیت
۱۵۶	- حکمت
۱۵۶	- مطلق اور مقید وصیت
۱۵۹	باب ۲: وصیت کا حکم شرعی اور اقسام

- ۱۶۰ - حکم شرعی کے لحاظ سے وصیت کی اقسام
- ۱۶۶ • وصیت واجبہ اور یتیم پوتے کی وراثت
- ۱۶۸ • پاکستان میں قانونی صورت حال
- ۱۷۳ باب ۳: وصیت کے ارکان
- ۱۷۵ - وصیت کرنے کے طریقے (الفاظ- تحریر- اشارہ)
- ۱۷۶ - موصیٰ لہ کے رد و قبول کا مسئلہ
- ۱۸۱ باب ۴: وصیت کے شرائط
- ۱۸۱ - موصیٰ کے شرائط
- ۱۸۴ • مختلف لوگوں کی وصیت کی شرعی حیثیت
- ۱۸۴ □ قرض دار کی وصیت
- ۱۸۵ □ غیر مسلم کی وصیت
- ۱۸۷ - موصیٰ لہ کے شرائط
- ۱۸۸ • حمل کے بارے میں وصیت
- ۱۹۶ - موصیٰ بہ کے شرائط
- ۱۹۷ • مال و جائداد کی منفعت کے بارے میں وصیت
- ۲۰۷ • ایک تہائی مال اور وصیت
- ۲۱۱ باب ۵: وصیت کے باطل ہو جانے کے اسباب
- ۲۱۱ - موصیٰ کو جنون طاری ہو جانا
- ۲۱۲ - موصیٰ کا مرتد ہو جانا
- ۲۱۲ - شرط کا پورا نہ ہونا
- ۲۱۲ - وصیت سے رجوع

۲۱۵	- وصیت کو رد کر دینا
۲۱۵	- موصی سے قبل موصیٰ لہ کی وفات
۲۱۶	- موصیٰ لہ کا موصیٰ کو قتل کر دینا
۲۱۶	- موصیٰ بہ ہلاک یا ختم ہو جانا
۲۱۷	باب ۶: احکام موصیٰ الیہ (وصی)
۲۱۷	- تعریف اور تقرر
۲۱۸	- وصی کا قبول یا رد کرنا
۲۱۹	- کس کو وصی مقرر کیا جاسکتا ہے
۲۱۹	- وصی کی اقسام
۲۲۱	- وصی کی معزولی
۲۲۲	- وصی کا حق اجرت
۲۲۵	اہم مصادر و مراجع

بسم الله الرحمن الرحيم

ابتدائیہ

اسلامی فقہ میں فن میراث کو امتیازی حیثیت حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں احکام بیان کرنے کے اپنے عمومی اسلوب سے ہٹ کر میراث کے مسائل کو زیادہ تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ نے بھی میراث کی خصوصی اہمیت کے پیش نظر متعدد مواقع پر اس کے سیکھنے سکھانے کی ترغیب دی؛ بلکہ جہاں قرآن سیکھنے کا حکم دیا، اسی جملے میں میراث کے احکام سیکھنے پر زور دیا ہے۔ سلف صالحین کے ہاں یہ معمول رہا کہ کسی طالب علم کو اس وقت تک حدیث کے درس میں نہیں بیٹھنے دیا جاتا تھا جب تک وہ قرآن کریم حفظ اور میراث کے مسائل کو ازبر نہ کر لیتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ علم میراث اور ترکہ ایسی چیز ہے جس سے ہر مسلمان کو واسطہ پڑتا ہے؛ پھر اس کا تعلق لوگوں کے مالی حقوق کے ساتھ ہے؛ اور اس بات کا قوی امکان ہو سکتا ہے کہ بندہ ناواقفیت کی وجہ سے مرنے سے پہلے کوئی ایسی وصیت کر جائے جس میں ورثہ کی حق تلفی یا ان کے ساتھ ناانصافی برتی گئی ہو؛ یا کسی وارث کو ترکہ سے سرے سے محروم ہی کر دے۔

میراث کے احکام چونکہ ایک گونہ پیچیدہ اور قدرے دقیق ہوتے ہیں، اس لیے ان کے پیش کرنے کا اسلوب جس قدر آسان، سادہ اور سلیس ہو، اسی قدر زیادہ استفادے کی توقع کی جاسکتی ہے۔ حالیہ عرصے میں ہمارے ہاں مواریث پر اردو زبان میں جو لٹریچر سامنے آیا ہے اس کے اسلوب بیان میں پیچیدگی اور قدیم طرزِ تفہیم کی وجہ سے طلبہ اور عام افراد کے لیے احکام کو ذہن نشین کرنا کافی مشکل ہے جو غیر معمولی دلچسپی اور محنت کے بغیر ممکن نہیں۔ دوسرے یہ کہ عام طور پر میراث کے تمام مباحث بیان نہیں کیے جاتے۔ بازار میں میراث کی مشہور درسی کتاب سراجیہ کی متعدد اردو شروح تو دستیاب ہیں؛ لیکن لوگوں کی

ضرورت اس سے مختلف ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ میراث کے احکام پر مشتمل ایک ایسی جامع اور عام فہم کتاب ہو جس میں میراث کے تمام مشکل اور دقیق مباحث کو مروجہ اسلوب کے مطابق خوبی سے آسان زبان میں بیان کیا گیا ہو۔

زیر نظر کتاب اسی ضرورت کو پیش نظر رکھ کر مرتب کی گئی ہے۔ کتاب کے مؤلف گزشتہ تیس سال سے اسلامی فقہ کے استاد اور محقق کے طور پر یونیورسٹی میں خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ فقہ الاسرہ کا ایک حصہ ہونے کے ناطے علم میراث مؤلف کی خصوصی دلچسپی کا موضوع ہے۔ یہ کتاب مؤلف کے برسوں کے تدریسی تجربے کا نچوڑ قرار دی جاسکتی ہے، جس میں طلبہ کی نفسیات اور رائج محاورے کو سامنے رکھتے ہوئے نقشوں اور جداول کی مدد سے میراث کے جملہ مباحث کو ذہن نشین کرانے کی کوشش کی گئی ہے۔

کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے۔ حصہ اول میں میراث کے مباحث جس میں اسلام کے تصور میراث کا دیگر ادیان و مذاہب کے تصور میراث کے ساتھ تقابلی جائزے، وراثت کے اسباب و موانع، ذوی الفروض، عصبات، دادا کا حصہ، حجب، ورثا کے عددی اصول، عول، رد اور ذوی الارحام وغیرہ کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ حصہ دوم وصیت کے احکام پر مشتمل ہے جس میں وصیت کے تمام پہلوؤں کا اختصار اور مناسب تفصیل کے ساتھ احاطہ کیا گیا ہے۔

ماضی قریب میں وصیت اور میراث کے بعض معرکہ آرا سمجھے جانے والے مسائل: مثلاً مرد کا دو گنا حصہ، یتیم پوتے کی وراثت وغیرہ کو شافی انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ نیز وراثت سے متعلق ملک میں مروجہ قوانین اور اہل تشیع کا نقطہ نظر بھی سامنے لایا گیا ہے۔

امید ہے یہ کاوش مدارس و جامعات کے طلبہ، علمائے کرام، ارکان عدلیہ و قانون اور میراث سے دل چسپی رکھنے والے قارئین کے لیے مفید، اور تعلیمی اداروں کے نصاب میراث کے لیے ایک موزوں انتخاب ثابت ہوگی۔ واللہ ولی التوفیق والقبول۔

شعبہ تحقیق و مطبوعات



میراث

تعارف

زندگی کے مسائل میں ایک اہم مسئلہ مرنے والے کے مال و جائداد کی تقسیم یعنی وراثت کا ہے۔ اس مسئلے میں انسانیت ہمیشہ افراط و تفریط میں مبتلا رہی ہے۔ اسلام نے اس مسئلے میں بھی ایک جچا تلا اور عدل و انصاف پر مبنی قانون اور لائحہ عمل پیش کیا ہے۔ آج دنیا کے اکثر ممالک، سرمایہ داری کے تباہ کن اثرات کا رونا رو رہے ہیں، اور ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ دولت کو چند مخصوص ہاتھوں میں سمٹنے سے کس طرح روکا جائے۔ اشتراکی نظام نے اس کا ایک علاج تجویز کیا، لیکن وہ دوسری انتہا کو پہنچ گئے اور فرد کی ذاتی ملکیت ہی کو ختم کر کے اسٹیٹ کو "سرمایہ دار اعظم" بنا کر بدنام زمانہ سرمایہ داری کے سارے نقائص اس میں سمودیے۔ دراصل اس افراط و تفریط کے بین بین ہی کوئی راستہ ان الجھنوں سے نجات دلا سکتا ہے اور وہ ہے اسلام کا راستہ۔ اسلام کا معاشی نظام نہ تو فرد کی ملکیت کو ختم کرتا ہے اور نہ ہی اس کا موقع دیتا ہے کہ دولت کا ایک جگہ ارتکاز ہو سکے۔ جائز اور حلال طریقے سے دولت کمانے کی پابندی، دولت خرچ کرنے کی حدود کا تعین، حقوق العباد کی اداگی، زکاۃ و صدقات کا التزام اور تقسیم میراث وہ توازن قائم کرتے ہیں جو دولت کی صحیح تقسیم کے لیے ضروری ہے۔ صرف تقسیم میراث ہی کے اصولوں کو لیجیے؛ ان کی پابندی کرنے سے ہر فرد کی وفات پر اس کا ترکہ متعدد افراد میں تقسیم ہو جاتا ہے اور اس طرح دولت گردش میں رہتی ہے۔ یہ اصول اسلام میں ایک مستقل فن اور علم کی حیثیت رکھتے ہیں جسے "علم الفرائض" یا "علم میراث" کہا جاتا ہے۔

مختلف مذاہب اور اقوام کے ہاں احکام وراثت

وراثت کے سلسلے میں اسلامی نقطہ نظر بیان کرنے سے پہلے دیگر مذاہب اور قوموں کے نظریے کا تذکرہ مناسب معلوم ہوتا ہے تاکہ تقابل میں آسانی ہو۔ ان شاء اللہ اس سے اسلامی شریعت کا اعتدال اور توازن نمایاں ہو گا۔

یہودیت میں قوانین وراثت

یہودیوں کے ہاں وراثت کا حق دار صرف لڑکا ہوتا ہے، اس کی موجودگی میں نہ تو میت کے والدین کا کوئی حصہ ہے اور نہ بیٹی کا؛ بیوی اور شوہر کا اور دیگر رشتے داروں کا بھی کوئی حصہ نہیں۔ بیوہ اور بیٹیاں اولادِ زرینہ کے رحم و کرم پر ہوتی ہیں، البتہ لڑکی اگر نابالغ ہو تو بارہ سال کی عمر تک وہ باپ کے ترکے میں سے اپنا خرچہ لے سکتی ہے، اس کے بعد اس کے لیے کچھ نہیں ہے۔ بیوہ بہر صورت میراث سے محروم ہوتی ہے اور ایک بوجھ سمجھی جاتی ہے۔

لڑکا ہر حالت میں میراث کا حق دار ہوتا ہے، چاہے وہ نکاح کے ذریعے وجود میں آیا ہو یا بدکاری کا نتیجہ ہو؛ نیز سب سے بڑا لڑکا دو گنا حصہ پاتا ہے خواہ وہ ناجائز نطفہ ہو۔ بیٹے، پوتے وغیرہ کی موجودگی میں لڑکیاں میراث پاتی ہیں اور وہ نہ ہوں تو ان کی اولاد۔ لڑکے، لڑکیاں، پوتے، نواسے وغیرہ میں سے کوئی بھی نہ ہو تو ترکے کا مستحق باپ ہوتا ہے، اور اس کی غیر موجودگی میں دادا اور اس کے بعد بھائی اور چچا وغیرہ۔

کسی یہودی عورت کا انتقال ہو اور اس کی کوئی اولاد نہ ہو تو شوہر اس کا وارث ہوتا ہے۔ اولادِ زرینہ کے ہوتے ہوئے اسے کسی بھی طرح کی وصیت کا حق نہیں ہوتا، لیکن اگر وارث لڑکیاں ہوں تو جسے چاہے اور جتنا چاہے وصیت کر سکتی ہے۔

کوئی بت پرست یہودی مذہب اختیار کر لے تو اس کی وفات کے بعد غیر یہودی رشتہ دار اس کے وارث نہ ہوں گے، البتہ کوئی بت پرست وفات پا جائے تو یہودی اس کا وارث ہو گا اور اگر کوئی یہودی بت پرست وغیرہ ہو جائے تو یہ اپنے یہودی رشتہ داروں کے ترکہ سے محروم ہو گا، اور یہودی رشتہ دار اس کے وارث ہوں گے۔

وراثت نصرانیت میں

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کوئی نئی شریعت لے کر نہیں آئے تھے، بلکہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت ہی پر عامل تھے، وہ خود کہا کرتے تھے کہ میں شریعتِ موسوی کو ختم کرنے کے لیے نہیں بلکہ اس کی تکمیل کے لیے آیا ہوں، اس لیے ظاہر ہے کہ وراثت کے سلسلے میں مسیحیت کا بھی وہی نقطہ نظر ہے جو اوپر تورات کے حوالے سے مذکور ہوا، لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھا لیے جانے کے بائیس سال بعد مسیحیت نے تورات کے تمام احکامات پر خطِ نسخ پھیر دیا۔ اس لیے اب ان کے یہاں اس پر عمل نہیں ہے، بلکہ مختلف فرقوں کے یہاں وراثت کے سلسلے میں الگ الگ احکام ملتے ہیں، جن میں سے بیشتر احکام رومی یا یونانی قانون سے ماخوذ ہیں۔

رومی قانون وراثت

رومی قانون وراثت میں مختلف اوقات میں متعدد تبدیلیاں ہوتی رہیں۔ ابتدا میں وراثت کو وصیت سے متعلق کیا گیا کہ مورث جس شخص کے لیے وصیت کر جائے وہی اس کے تمام مال کا وارث ہو گا۔ بعد ازاں بادشاہ گسٹینیا نوس (م ۵۲۳ء) نے قانون وراثت میں کچھ بنیادی تبدیلیاں کیں اور وراثت کی بنیاد قرابت پر رکھی، نیز قریب ترین وارث کی موجودگی میں دور کے رشتہ دار کو محروم قرار دیا، استحقاق وراثت میں مرد و عورت کے درمیان تفریق کو ختم کیا اور وارثوں کے مختلف طبقے قرار دیے۔ اس کی رو سے پہلا طبقہ، فروع یعنی بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، نواسا، نواسی وغیرہ پر مشتمل ہے۔ ان کی نسل سے اگر کوئی

موجود ہے تو دوسرا وراثت کا حق دار نہ ہو گا اور ان کی غیر موجودگی میں دوسرے طبقے یعنی اصول کے درمیان ترکہ تقسیم ہو گا، جن میں باپ، دادا، بھائی وغیرہ شامل ہیں۔

قابل ذکر یہ ہے کہ اگر دادا کے ساتھ حقیقی بھائی موجود ہے تو وہ محروم نہ ہو گا، بلکہ برابر کا حق دار ہو گا، ایسے ہی پوتا بھی محروم نہیں ہوتا بلکہ دادا کے مرنے کے بعد وہ اپنے چچا کے ساتھ برابر کا حصے دار ہوتا ہے۔

اصول و فروع اور حقیقی بھائی موجود نہ ہوں تو یہ حق ماں شریک یا باپ شریک بھائی کو ملتا ہے اور اس کی غیر موجودگی میں دیگر رشتہ داروں میں برابر تقسیم کیا جائے گا، اس طور پر کہ قریب ترین رشتہ دار کی موجودگی میں دور کا رشتہ دار محروم ہو گا۔

میاں بیوی میں سے ہر ایک دوسرے کے ترکے سے مکمل طور پر محروم ہو گا کیونکہ ان کے یہاں وراثت کی بنیاد قرابت پر ہے۔

یونانی قانون وراثت

اہل یونان کے یہاں بھی ابتداء وراثت کو وصیت سے متعلق رکھا گیا تھا کہ انسان اپنی زندگی ہی میں کسی کے حق میں وصیت کر جائے اور موت کے بعد تمام ترکہ وصیت کردہ شخص کی طرف منتقل ہو جاتا تھا، بعد میں کچھ تبدیلیاں ہوئیں اور قرابت کو بنیاد قرار دیا گیا، تاہم اولادِ زینہ کی موجودگی میں کسی عورت کا کوئی حصہ نہ تھا، بیٹی وغیرہ وراثت کی حق دار اس وقت ہوتی جبکہ کوئی مرد وارث موجود نہ ہوتا۔ ان میں یہ بھی رواج تھا کہ نکاح کے وقت بیٹی کو "دولہ" (جہیز) کے نام سے گھریلو استعمال کی چیزیں دے دیا کرتے تھے اور یہی ان کی محرومی کا عوض ہوتا تھا۔

اولادِ زینہ کی غیر موجودگی میں بیٹی اپنے باپ کے مال کی نگران ہوتی تھی اور شادی کے بعد اس کے ہاں کوئی لڑکا پیدا ہو جائے تو قانونی طور سے وہ مجبور تھی کہ اس لڑکے کو اپنے باپ

کی طرف منسوب کرے اور ترکہ اس کے نام کر دے، گویا کہ عورت میراث کو صرف منتقل کرنے والی ہوتی، وہ کسی چیز کی مالک نہیں بن سکتی تھی۔

ہندومت میں قانون وراثت

ہندو قانون وراثت میں عورتوں کے لیے ترکہ میں کوئی حصہ نہیں ہے، نیز تمام چیزوں کا مالک صرف بڑا لڑکا ہوتا ہے اور دوسرے سب محروم۔

قوانین وراثت مغربی ممالک میں

بعض ملکوں میں وراثت سے متعلق جو قوانین نافذ ہیں وہ یونانی اور رومی قانون کا چربہ ہیں۔ یہ سب انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین ہیں، جن میں اکثر و بیشتر تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں، چنانچہ فرانسیسی قانون میں میت کی اولاد، ان کی غیر موجودگی میں اس کے باپ، دادا، پھر بھائی اور چچا کو وراثت کا حق دار قرار دیا گیا ہے اور ان سب کی غیر موجودگی میں غیر قانونی لڑکا حصہ دار ہوتا ہے۔ بیٹے اور پوتے کی موجودگی میں باپ اور دادا محروم ہو جاتے ہیں اور اگر کوئی بیٹا وفات پا جائے تو دوسرے موجود بیٹوں کے ساتھ پوتا بھی دادا کی میراث کا حق دار ہوتا ہے۔

جرمن قانون کے لحاظ سے وراثت کی بنیاد قرابت اور زوجیت پر ہے، فرع کی موجودگی میں زن و شو میں سے ہر ایک کا حصہ چوتھائی ہے اور فرع کے نہ ہونے کی صورت میں آدھا، اور اصول و فروع میں سے کوئی موجود نہ ہو تو شوہر پورے ترکے کا حق دار ہوتا ہے۔

انگریزی قانون میں بیٹے کے ہوتے ہوئے بیٹی محروم ہوتی ہے، نیز پہلو ٹاسب پر مقدم ہوتا ہے اور اولادِ نرینہ کی غیر موجودگی میں بیٹی وارث ہوتی ہے۔

روس میں جب کمیونزم برسر اقتدار ہوا تو شروع میں وراثت کا کوئی تصور ہی نہ تھا کہ فرد کسی چیز کا مالک نہ تھا، ہر چیز پر حکومت کی ملکیت ہوتی تھی، بعد میں تبدیلیاں ہوتی رہیں، یہاں تک کہ ۱۹۴۵ء میں تین طرح کے لوگوں کو وارث قرار دیا گیا:

۱۔ اولاد، میاں بیوی

۲۔ والدین اور منہ بولا بیٹا

۳۔ بھائی بہن

ان میں سے قریب ترین کی موجودگی میں دور کے رشتہ دار کو محروم قرار دیا گیا۔ امریکہ اور یورپ کے دیگر ملکوں میں اس وقت جو قانون وراثت رائج ہے اس کا ذکر تفصیل طلب ہے۔ صرف اتنا اشارہ کیا جا رہا ہے کہ ان میں رومی اور یونانی روح کار فرما ہے، گو بعض جزئیات اور تفصیلات میں اختلاف ہے۔*

دور جاہلیت میں عربوں کا نظام وراثت

اسلام سے قبل اہل عرب مختلف قبیلوں اور طبقتوں میں بٹے ہوئے تھے، جن میں باہم آویزش اور کشمکش رہتی تھی اور وہ ایک دوسرے سے ہمیشہ برسر پیکار رہتے تھے، اس لیے وہ تمام معاملات کو اسی کے پس منظر میں دیکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ چنانچہ وراثت میں ان کے ہاں چھوٹے بچوں اور عورتوں کا کوئی حصہ نہ تھا کہ یہ لوگ جنگی صلاحیتوں سے محروم تھے اور اپنے قبیلے کی طرف سے دفاع نہیں کر سکتے تھے، اور دشمنوں سے مال غنیمت حاصل نہیں کر سکتے تھے۔

ان کے ہاں میراث پانے کے درج ذیل چار اسباب تھے:

۱۔ قرابت اور نسبی تعلق: اس کے تحت ترکہ کا سب سے پہلا حق دار بڑا بیٹا تھا، اس کے ہوتے ہوئے کوئی اور وارث نہیں ہو سکتا تھا، لیکن اس کے لیے شرط یہ تھی کہ وارث بالغ اور جنگی صلاحیت کا حامل ہو۔ اس کے بعد پوتا، پھر باپ، دادا اور ان کے بعد بھائی اور چچا وغیرہ کا حق تھا۔

* سباعی، ڈاکٹر مصطفیٰ، هذا هو الاسلام: ۱: ۳۳؛ ابو الیقظان عطیہ، حکم المیراث فی الشریعة الإسلامیہ، ص ۱۱،

۲۲۔ دیکھیے: مولانا ولی اللہ مجید قاسمی کا مضمون "اسلام کا نظام وراثت" مشمولہ سہ ماہی "تحقیقات اسلامی" علی گڑھ، جلد

۲۱، شمارہ ۳، جولائی ستمبر ۲۰۰۲ء، ص ۴۵-۴۹

۲۔ ولاء: اسی جنگ و جدال کی وجہ سے ایک قبیلہ دوسرے قبیلے سے اور ایک شخص دوسرے شخص سے باہم مدد اور نصرت کا معاہدہ کرتا تھا جسے ”ولاء“ کہا جاتا ہے اور قریبی وارث کی موجودگی میں بھی یہ شخص وارث ہوتا تھا۔

۳۔ تبتی: سابقہ اقوام اور مذاہب میں لے پالک بیٹے کا رواج تھا اور اب بھی بہت سے معاشروں میں باقی ہے، کہ لوگ دوسروں کے بچے کو گود لیتے ہیں جسے حقیقی بیٹے کی طرح سمجھا جاتا ہے اور جائداد کا وارث بھی ہوتا ہے۔ عربوں میں بھی یہ طریقہ رائج تھا یہاں تک کہ اسلام نے آکر اس غیر فطری طریقے کو ختم کیا۔ اسلام میں لے پالک کے لیے وراثت میں کوئی حصہ نہیں رکھا گیا، البتہ اگر مرنے والا چاہے تو اس کے لیے ایک تہائی وصیت کر سکتا ہے۔

۴۔ عہد و پیمان: بعض اوقات دو افراد، جن کی آپس میں کوئی نسبی قرابت نہیں ہوتی تھی، وہ باہم معاہدہ (حلف) کر لیتے تھے کہ ہمارے درمیان بھائی چارہ ہے۔ اگر دونوں میں سے کسی پر کوئی مشکل پڑ جائے، یا مالی ذمہ داری (دیت، تاوان وغیرہ) یا کوئی اور افتاد آپڑے، تو دوسرا بوجھ اٹھانے میں اس کا شریک و سہیم ہوا کرتا تھا۔ ایسے دونوں افراد ایک دوسرے کی وراثت میں بھی حصہ پاتے تھے۔ ابتداءً اسلام میں بھی اس پر عمل ہوتا رہا، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ فَآتَوْهُمْ نَصِيبَهُمْ﴾ [النساء: ۴] (۳۳) اور جن لوگوں سے تم عہد کر چکے ہو، ان کو بھی ان کا حصہ دو، مگر بعد میں اس کو منسوخ کر دیا گیا، اور ارشاد ہوا: ﴿وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ﴾ [الانفال: ۸؛ الاحزاب: ۳۳: ۶] (رشتہ دار اللہ کے حکم کی رو سے ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں)۔

ترکہ اور علم میراث۔ چند بنیادی مباحث

وراثت۔ تعریف اور ارکان

وراثت کا لغوی معنی کسی چیز کا ایک شخص سے دوسرے شخص یا ایک گروہ سے دوسرے گروہ کی طرف منتقل ہونا ہے۔ عام طور پر یہ منتقلی مال، علم یا شرف و فضیلت کے لیے استعمال ہوتی ہے، جبکہ قانونی اصطلاح کے طور پر وراثت ایک غیر اختیاری انتقال ملکیت ہے جس کے ذریعے متوفی کا ترکہ اس کے زندہ وارثوں کی طرف بطریق خلافت (جانشینی) منتقل ہوتا ہے۔

وراثت کے درج ذیل تین ارکان ہیں:

۱۔ مَوْرَث ۲۔ وارث ۳۔ ترکہ (محل وراثت)

۱۔ مَوْرَث

وراثت کا استحقاق اس وقت پیدا ہوتا ہے جبکہ حقیقتاً، تقدیراً یا حکماً مورث کی موت واقع ہو چکی ہو۔ حقیقتاً موت یہ ہے کہ مورث کی روح یقینی طور پر اس کے جسم سے نکل چکی ہو۔ تقدیراً موت یہ ہے کہ میت کو زندہ تصور کرتے ہوئے اس کے بعد حقیقی موت واقع قرار دی جائے، مثلاً جنین (رحم مادر میں بچہ) کسی جنایت (دست اندازی) کے نتیجے میں ماں کے پیٹ سے علیحدہ کر دیا گیا ہو۔ حکماً موت یہ ہے کہ حقیقی زندگی کو حکم شرعی کے تحت منقطع قرار دیا جائے، مثلاً حاکم نے مفقود الخبر (لاپتا ہو جانے والے) شخص کے بارے میں اس کی موت کا فیصلہ دے دیا ہو، یا مرتد کو ارتداد کے وقت سے مردہ قرار دے دیا جائے۔

۲۔ وارث

وراثت کا دوسرا رکن ”وارث“ ہے۔ موٹ کی موت کے ساتھ ہی وارث کی حیات کا تعین ضروری ہے۔ خواہ وہ حقیقتاً زندہ ہو یا تقدیراً زندہ تصور کر لیا گیا ہو، جیسے وہ بچہ جو رحم مادر میں ہو۔ چنانچہ حمل کی میراث اس کو زندہ تصور کر کے علیحدہ رکھ دی جائے گی اور اس کے زندہ پیدا ہونے کے بعد اس کی ملکیت قرار پائے گی۔ ایسی صورتوں میں جہاں موٹ کی موت کے مرنے کے ساتھ وارث کے زندہ ہونے کا پتہ نہ چل سکے ان کا باہم توارث نہ ہوگا، جیسا کہ ایک ساتھ ڈوب کر مر جانے والے، جل کر مر جانے والے، عمارت میں دب کر مر جانے والے۔

۳۔ ترکہ

وراثت کا تیسرا رکن ”ترکہ“ (محل وراثت) ہے، جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

تعریف ترکہ

ترکہ کا لفظ ترک سے مشتق ہے اور یہ متروک (چھوڑی ہوئی چیز) کے معنی میں ہے۔ علم میراث کی اصطلاح میں ”ترکہ“ وہ مال ہے جو میت (موٹ) اپنے بعد اپنے شرعی مملوکات کی شکل میں چھوڑ جائے۔ کسی شخص کی وفات کے وقت اس کی تمام جائداد، منقولہ (جیسے گاڑیاں، مال مویشی، گھریلو سامان اور نقد رقوم وغیرہ) اور غیر منقولہ (زرعی، رہائشی مکانات، فیکٹری وغیرہ) جو شرعاً اس کی ملکیت میں ہو، خواہ اس کے قبضے میں ہو یا دوسروں کے ذمے واجب الادا ہو، میت کا ترکہ کہلاتی ہے۔ چنانچہ ہر قسم کا مال و ملکیت، رہن رکھی گئی کوئی چیز، معاہدہ بیع کے خیارات (جیسے خیاب عیب، خیاب تعین)، حق شفیعہ، متوفی کا کسی کے ذمہ واجب الادا قرضہ وغیرہ

سب ترکے میں شامل ہوں گے۔ اسی طرح ترکے میں علمی ورثہ یعنی کتابوں، فارمولوں اور ایجادات وغیرہ کی رائٹی بھی شامل ہے اور تمام شرعی ورثا کا اس میں حق ہو گا۔*

یہاں یہ بات واضح رہے کہ اسلام میں ترکہ کے لحاظ سے خاندانی یا ذاتی مال میں کوئی تقسیم روا نہیں رکھی گئی۔ انسان کے مرنے کے وقت وہ سارا مال جو اس کی ملکیت میں ہو ترکہ شمار ہو گا چاہے وہ اسے خاندان کی طرف سے وراثت کے ذریعے منتقل ہوا ہو یا اس نے خود حاصل کیا ہو۔

ترکے میں وہ مال شامل ہوتا ہے جو میت اپنے بعد چھوڑ جائے اور کسی دوسرے متعین شخص کا اصل متروکہ شے کے ساتھ کوئی حق متعلق نہ ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس مال سے متعین طور پر کسی غیر کا حق متعلق ہو (جیسے رہن رکھی گئی کوئی چیز)، وہ مال اس وقت تک ترکے میں داخل نہ ہو گا جب تک کہ اس دوسرے شخص کا حق ادا نہ کر دیا جائے۔

ترکے کے سلسلے میں چند مزید صورتیں

۱۔ ایسا مال جو میت کو حاصل ہوا ہو مگر شریعت نے اس پر مال ہونے کا حکم نہ لگایا ہو، وہ شرعاً ترکہ شمار نہ ہو گا، جیسے ذخیرہ شراب۔

۲۔ جو مال میت نے کسی دوسرے کا غضب کیا ہو، یا چوری یا خیانت کے ذریعے حاصل کیا ہو، وہ اس کا ترکہ شمار نہ ہو گا، کیونکہ شریعت نے اس پر میت کی جائز ملک ہونے کا حکم نہیں لگایا۔ اگر ورثا نے ایسے مال کو آپس میں تقسیم کر لیا تو وہ اس کے خود ذمہ دار ہوں گے اور اللہ کے نزدیک گناہ گار ہوں گے۔ جس طرح میت سے ایسے مال کو اس حالت پر چھوڑ جانے پر مواخذہ ہو گا، اسی طرح ورثا سے ایسے مال کو مالکوں کو نہ پہنچانے اور میت کا مال سمجھ کر تقسیم کر لینے میں مواخذہ ہو گا۔

* ملاحظہ ہو: شہرانی، حسین بن معلوی، حقوق الاختراع والتالیف فی الفقہ الإسلامی، دار طیبہ، الرياض

۲۰۰۳ء، ص ۳۶۸؛ ویمن ایڈٹرسٹ، پاکستان: وراثت کی تقسیم۔ کیا، کیوں اور کیسے؟ ۲۰۱۱ء، ص ۲

۳۔ جو چیز میت نے خریدی تھی لیکن قیمت ادا کر کے اس کو اپنی تحویل (قبضہ) میں نہ لیا تھا، وہ چیز ترکہ میں داخل نہ ہوگی۔ البتہ اگر میت نے اس چیز کو اپنے قبضے میں لے لیا تھا مگر قیمت ہنوز ادا نہ کی تھی تو وہ چیز میت کے ترکہ میں داخل ہوگی اور اس چیز کی قیمت میت کے مجموعی ترکہ پر قرض (دین) ہوگی جو بقاعدہ قرض (دین) ادا کی جائے گی۔

۴۔ اگر میت کی کوئی چیز یا جائیداد کسی کے پاس رہن ہو اور میت نے اس قدر مال نہ چھوڑا ہو کہ زر رہن ادا کر کے اس چیز یا جائیداد مرہونہ کا انفکاک رہن کرایا (رہن چھڑایا) جاسکے تو وہ چیز یا جائیداد میت کے ترکہ میں داخل نہ ہوگی، البتہ مرہن (mortgagee) کے پاس اس چیز یا جائیداد کو فروخت کر دینے کے بعد اگر کوئی رقم باقی بچے تو وہ ترکہ شمار ہوگی۔

۵۔ بینویولنٹ فنڈ اور گروپ انشورنس کی رقوم: حکومت نے سرکاری ملازمین کی فلاح و بہبود کے لیے، بینویولنٹ فنڈ کے نام سے ایک مستقل فنڈ قائم کیا ہے اور ہر سرکاری ملازم کی تنخواہ سے کچھ رقم کاٹ کر اس فنڈ میں جمع کرائی جاتی ہے۔ مرکزی حکومت، سرکاری و نجی ادارے اور عام افراد بھی اس میں عطیات جمع کرا سکتے ہیں۔ اس فنڈ کو عام طور پر منافع بخش اسکیموں میں بھی لگایا جاتا ہے۔ اس فنڈ کا بنیادی مقصد دوران ملازمت جسمانی یا ذہنی معذوری کے سبب ملازمت سے فارغ کیے جانے والے یا وفات پا جانے والے سرکاری ملازمین اور ان کے اہل خانہ کی فلاح و بہبود ہے اور انہیں ایک خاص مدت تک اس فنڈ میں سے کچھ رقم ماہانہ ادا کی جاتی ہے۔ یہ فنڈ ملازمین کی شخصی اور اجتماعی ملکیت نہیں ہے اور نہ ہی کسی ملازم کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ہر صورت میں اس فنڈ سے کوئی حصہ وصول کرے۔ اگر کوئی ملازم ریٹائرڈ ہونے کے بعد ذہنی یا جسمانی طور پر معذور ہوتا ہے یا وفات پا جاتا ہے تو وہ یا اس کے اہل خانہ کسی صورت بھی اس فنڈ میں سے کوئی پیسہ وصول کرنے کے حق دار نہیں ہوتے۔

اس بحث کی روشنی میں اس فنڈ کو کسی ملازم کا ترکہ کہنا درست نہیں ہے؛ اسی لیے یہ فنڈ متوفی کے قانونی ورثا کو نہیں بلکہ اس کے اہل خانہ کو دیا جاتا ہے۔ اہل خانہ کی تعریف میں

متوفی کی بیوی، اگر ملازم خاتون ہوں تو اس کا شوہر، اور متوفی کی اولاد شامل ہے۔ اس کے علاوہ متوفی کے زیر کفالت والدین، بھائی، بہنیں (غیر شادی شدہ، مطلقہ، بیوہ) بھی اہل خانہ میں شمار ہوتے ہیں۔

اسی طرح حکومت ہر سرکاری ملازم کی انشورنس کسی انشورنس کمپنی کے ساتھ مل کر کراتی ہے، اور اس ملازم کی تنخواہ میں سے بطور عطیہ ماہانہ قسط کاٹ کر اس انشورنس کمپنی کو جمع کرائی جاتی ہے؛ اسے گروپ انشورنس کہتے ہیں۔ اس کا مصرف بھی وہی ہے جو بینویلنٹ فنڈ کا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ سرکاری ملازم کا انتقال چاہے دوران ملازمت ہوا ہو یا ریٹائرمنٹ کے بعد، اس کے اہل خانہ ہر حال میں گروپ انشورنس کی رقم کے حق دار ہوتے ہیں۔ نیز یہ رقم انہیں ماہانہ کے بجائے یک مشت ادا کر دی جاتی ہے۔ تاہم یہ حقیقت بالکل واضح ہے کہ یہ کوئی ایسی رقم نہیں جس کا سرکاری ملازم اپنی زندگی میں حق دار ہو گیا ہو اور اسے اپنی زندگی میں وصول کر سکتا ہو بلکہ یہ رقم بھی دراصل مرنے کے بعد اس کے اہل خانہ کو ایک امدادی عطیے کے طور پر دی جاتی ہے جسے متوفی کا ترکہ ہر گز نہیں کہا جاسکتا۔*

۶۔ پراویڈینٹ فنڈ: پراویڈینٹ فنڈ ایکٹ ۱۹۲۵ء کے تحت ہر سرکاری ملازم کی ماہانہ تنخواہ میں سے کچھ رقم منہا کر کے محکمہ اپنے پاس جمع کرتا رہتا ہے جسے پراویڈینٹ فنڈ کہتے ہیں۔ کسی بھی سرکاری ملازم کو یہ اختیار ہے کہ وہ دوران ملازمت اپنی ہنگامی ضرورتوں کے پیش نظر اس فنڈ میں سے کچھ رقم نکلا سکتا ہے۔ چونکہ اس فنڈ میں موجود رقم سرکاری ملازم کے نام پر جمع ہوتی ہے، اور اس کی ذاتی ملکیت ہوتی ہے، لہذا یہ رقم ترکہ میں شمار ہوگی، جو متوفی کے شرعی وارثوں میں ان کے شرعی حصے کے مطابق تقسیم ہونی چاہیے۔ اگر متوفی اپنی زندگی میں کسی ایک شخص کو پراویڈینٹ فنڈ کا حق دار نامزد کر چکا ہے تو بھی اس نامزدگی کی

* ملاحظہ ہو: عثمانی، مفتی محمد تقی، عدالتی فیصلے، ادارہ اسلامیات، کراچی / لاہور، مارچ ۲۰۰۰ء، ۲: ۲۰۵

کوئی حیثیت نہیں ہوگی۔ ایسی صورت میں بھی پراویڈینٹ فنڈ نہ تو وصیت کہلائے گا اور نہ تحفہ یا وقف، بلکہ وہ ترکہ شمار ہوگا۔^۱

۷۔ پنشن: پنشن ترکہ میں شامل نہیں ہے لہذا شرعی وارث اس کے حق دار نہیں ہو سکتے؛ لیکن ایسی پنشن جو ملازم کی زندگی میں واجب الادا ہو اور جس کا مطالبہ وہ لازماً کر سکتا ہو تو وہ پنشن اس کے ترکہ میں شمار ہوگی مگر ایسی پنشن جو اس کی زندگی میں واجب الادا نہ تھی وہ اس کا ترکہ شمار نہ ہوگی۔^۲

پنشن کا حق دار کون: سول سروس ریگولیشنز کے آرٹیکل نمبر ۷۴۲ کے مطابق کسی بھی سرکاری ملازم کی وفات کی صورت میں اس کے اہل خانہ پنشن کے حق دار ہوتے ہیں۔ اہل خانہ میں سرکاری ملازم کی بیوی یا بیویاں، اگر سرکاری ملازم عورت تھی تو اس کا خاوند، متوفی کے نابالغ بچے اور اگر اس کا کوئی اور بیٹا فوت ہو چکا ہو تو اس کے بیوی بچے شامل ہیں۔ تاہم جہاں ماں بھی زندہ ہو اور اس کا اور کوئی سہارا نہ ہو تو احسان کارویہ یہ ہے کہ بیوہ کے ساتھ ماں بھی شریک ہوگی۔

۸۔ اگر کسی مرنے والے کو اس کی خدمات کے صلے میں کسی ادارے یا حکومت کی طرف سے رقم یا کوئی جائداد دی جائے، تو ایسی رقم یا جائداد انتقال کے وقت متوفی کی ملکیت نہ ہونے کی بنا پر ترکہ میں شامل نہیں ہوتی؛ لہذا متوفی کے اہل خانہ ہی اس کے حق دار ہوں گے اور شرعی ورثا کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔^۳

۱۔ بحوالہ: ۸۰۶، ۱۹۹۹ CLC

۲۔ عدالتی فیصلے ۲: ۲۱۶

۳۔ ایضاً

۹۔ دیت: دیت ترکے کا حصہ نہیں ہوتی جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ ترکہ وہ مال ہوتا ہے جو متوفی / مقتول کی وفات کے وقت اس کی ملکیت میں ہو۔ جبکہ دیت مقتول کی وفات کے بعد واجب ہوتی ہے، لہذا اسے ترکے کا حصہ قرار نہیں دیا جاسکتا، لیکن دیت ترکے کی تقسیم کے اصول پر ہی تمام وارثوں میں تقسیم ہوتی ہے۔^۱

۱۰۔ حکومت کی طرف سے بسا اوقات مختلف حادثات کا شکار ہونے والوں کے لواحقین کو جو معاوضہ ادا کیا جاتا ہے وہ نہ دیت ہوتی ہے اور نہ ترکہ، بلکہ وہ متوفی کے اہل خانہ کے لیے حکومت کی طرف سے اس نقصان کی تلافی کی ایک صورت ہوتی ہے۔^۲

۱۔ مجموعہ تعزیرات پاکستان، دفعہ نمبر ۳۳۰؛ النساء ۴: ۹۲؛ جامع ترمذی، کتاب الديات، حدیث ۱۳۱۵

۲۔ عدالتی فیصلے ۲: ۲۱۸

علم میراث / علم الفرائض

علم میراث وہ علم ہے جس سے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ حصوں کے مطابق ترکہ کی تقسیم اور اس کے مستحقین معلوم ہوتے ہیں۔ اسے "علم الفرائض" بھی کہتے ہیں، یعنی مقررہ حصوں کا علم۔^۱ فرائض فریضۃ کی جمع ہے، اس کے لفظی معنی ہیں وہ احکام جو ضروری اور مقرر ہوں، یعنی اس کے قواعد عام انسانوں کی مرضی پر نہیں چھوڑے گئے بلکہ خود اللہ اور اس کے رسول نے اس کے قواعد و ضوابط مقرر فرمادیے ہیں۔ قرآن نے وراثت اور وصیت کے احکام بیان کرتے ہوئے کئی بار یہ کہا ہے: ﴿فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ﴾ (یہ فریضہ الہی ہے)، ﴿وَصِيَّةً مِّنَ اللَّهِ﴾ (یہ اللہ کی تاکید ہے)، ﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ﴾ (اللہ تمہیں تاکید کرتا ہے)، ﴿تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ﴾ (یہ اللہ کے مقرر کردہ قواعد و ضوابط [حدود] ہیں)۔

امتیاز و اہمیت

میت کے ترکے کے متعلق (جیسا کہ پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے) دور جاہلیت کی چند رسوم حسب ذیل تھیں:^۲

- ۱۔ ترکے میں وراثت جاری نہیں ہونی چاہیے، وہ قوم (حکومت) کی ملکیت ہے۔
- ۲۔ ترکہ تقسیم نہیں ہونا چاہیے، وہ خاندان کی مشترکہ جائداد ہے۔

۱۔ ملاحظہ ہو: زحیلی، د۔ وحب، الفقہ الإسلامی وأدلته، دار الفکر، دمشق ۱۹۸۵ع، ۸: ۲۲۳؛ درادک، د۔ یاسین احمد

ابراہیم، المیراث فی الشریعة الإسلامیة، مؤسسة الرسالة، بیروت، ۱۹۸۰ء، ص ۷۲

۲۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: المیراث فی الشریعة (حوالہ سابقہ)، مقدمہ: ربانی [مولانا] محمد خلیل اللہ، اصول وراثت ترکہ،

خیر پور میرس، ۱۹۹۱ء، ص ۱۰

۳۔ ترکہ میت کے خلف اکبر (بڑے بیٹے) کا حق ہے، دوسرے سب قرابت دار محروم ہیں۔

۴۔ ترکہ کے مستحقین وہ مرد رشتہ دار ہیں جو میت کی وفات کے وقت دفاع اور جنگ لڑنے اور مالِ غنیمت حاصل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں، باقی سب (صغیر، معذور، عورتیں) محروم ہیں۔

۵۔ ترکہ کے مستحقین صرف مرد ہیں، عورتیں محروم ہیں۔

جاہلیت کی ان تمام رسوم کے خلاف، اسلام کے امتیازی قانون کو قرآن مجید نے اس طرح بیان کیا ہے: ﴿لِلرَّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا﴾ [النساء: ۷] (مردوں کے لیے اس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور رشتہ داروں نے چھوڑا ہو، اور عورتوں کے لیے بھی اس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور رشتہ داروں نے چھوڑا ہو، خواہ وہ تھوڑا ہو یا بہت۔ یہ حصہ [اللہ کی طرف سے] مقرر ہے)۔

اس آیت میں پانچ قانونی حکم دیے گئے ہیں: ایک یہ کہ میراث صرف مردوں ہی کا حصہ نہیں ہے، عورتیں بھی اس کی حق دار ہیں۔ دوسرے یہ کہ میراث بہر حال تقسیم ہونی چاہیے خواہ وہ کتنی ہی کم ہو، حتیٰ کہ اگر مرنے والے نے ایک گز کپڑا چھوڑا ہے اس کے دس وارث ہیں تو اسے بھی دس حصوں میں تقسیم ہونا چاہیے، یہ اور بات ہے کہ ایک وارث دوسرے وارثوں سے ان کا حصہ خرید لے۔ تیسرے اس آیت سے یہ بات بھی مترشح ہوتی ہے کہ وراثت کا قانون ہر قسم کے اموال و املاک پر جاری ہو گا خواہ وہ منقولہ ہوں یا غیر منقولہ، زرعی ہوں یا صنعتی یا کسی اور صنف مال میں شمار ہوتے ہوں۔ چوتھے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میراث کا حق اس وقت پیدا ہوتا ہے جب مورث کوئی مال چھوڑ کر مرا ہو۔

پانچویں اس سے یہ قاعدہ بھی نکلتا ہے کہ قریب تر رشتہ دار کی موجودگی میں بعید تر رشتہ دار میراث نہ پائے گا۔^۱

علم میراث کی اہمیت اور فضیلت

علم میراث کی اہمیت کا اندازہ درج ذیل ارشادات نبوی ﷺ سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے، جن میں اس علم کے سیکھنے سکھانے کی ترغیب دی گئی ہے:

• عن أبي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: تعلموا الفرائض وعلموه فإنه نصف العلم، وهو يُنسى، وهو أول شيء يُنزع من أمتي^۲ (لوگو، علم الفرائض [میراث] خود بھی سیکھو اور دوسروں کو بھی سکھاؤ کہ یہ نصف علم ہے اور یہ پہلی چیز ہے جو میری امت سے اٹھالی جائے گی)۔

• قال ابن مسعود قال لي رسول الله صلى الله عليه وسلم: تعلموا العلم وعلموه الناس، تعلموا الفرائض وعلموها الناس، تعلموا القرآن وعلموه الناس، فإني امرؤ مقبوض، والعلم سيقبض وتظهر الفتن، حتى يختلف اثنان في فريضة لا يجدان أحداً يفصل بينهما^۳ (حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "علم خود سیکھو اور دوسروں کو سکھاؤ، علم الفرائض خود سیکھو اور دوسروں کو سکھاؤ اور قرآن مجید خود سیکھو اور دوسروں کو سکھاؤ اس لیے کہ میں دنیا سے رحلت کر جاؤں گا اور علم اٹھا لیا جائے گا، اور ایک وقت ایسا

۱- مودودی، سید ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور: ۳۲۳

۲- سنن ابن ماجہ، کتاب الفرائض، باب الحث علی تعلیم الفرائض، حدیث ۲۷۱۹، ۲: ۹۰۸؛ سنن دار قطنی،

کتاب الفرائض ۳: ۶۷

۳- سنن دارمی، باب الاقتداء بالعلماء ۱: ۸۳، حدیث ۲۲۷

آئے گا کہ دو آدمی میراث کے کسی مسئلے کے بارے میں آپس میں اختلاف کریں گے مگر انہیں صحیح مسئلہ بتانے والا کوئی نہیں ہوگا۔

• عن عبد الله بن عمرو بن العاص: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: العلم ثلاثة، وما سوى ذلك فهو فضل: آية محكمة، أو سنة قائمة، أو فريضة عادلة (حضرت عبد اللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ضروری علوم تین ہیں، باقی زائد ہیں: آیات محکمات کا علم، سنتِ ثابتہ کا علم اور [وراثت کی] منصفانہ تقسیم فراہم کرنے والا علم فرائض)۔*

علم الفرائض کی اہمیت اس بات سے بھی واضح ہو جاتی ہے کہ میراث کے اکثر و بیشتر احکام اور ہر وارث کے حصے خود قرآن مجید نے ضروری تفصیل کے ساتھ بیان کیے ہیں اور اس کے احکام بیان کرنے کی ذمہ داری کسی انسان پر نہیں ڈالی۔ میراث کے بقیہ چند ہی احکام ایسے ہیں جو سنت نبوی ﷺ یا اجماع صحابہ سے ثابت ہیں۔ وراثت ملکیت مال کا ایک اہم ذریعہ ہے، جبکہ فرد و جماعت کے حوالے سے مال کو شہہ رگ کی حیثیت حاصل ہے جس سے زندگی کا نظام قائم ہے۔ اس بنا پر اس کے حصول کے ایک اہم ذریعے کے احکام کو پوری شرح و بسط کے ساتھ بیان کرنا ناگزیر تھا، تاکہ اس طرح اس حوالے سے پیدا ہونے والے تنازعات کا بھی سدباب ہو جائے۔

علم میراث کے مآخذ

علم میراث کے چار مآخذ ہیں: قرآن کریم، سنت مطہرہ، صحابہ کرام کا اجماع اور ان کے انفرادی اجتہادات۔

* سنن أبو داؤد، کتاب الفرائض، باب ما جاء في تعليم الفرائض، حدیث ۲۸۸۵؛ سنن ابن ماجہ، باب

اجتناب الرأي والقياس، حدیث ۵۴

ذیل میں میراث سے متعلق مفصل قرآنی آیات اور بعض احادیث کا ذکر کیا جاتا ہے۔

قرآنی آیات

۱۔ ﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثِيَيْنِ فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنِ آبَائِكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا فَرِيضَةٌ مِنَ اللَّهِ إِنْ كَانَ عَلِيًّا حَكِيمًا﴾ [النساء: ۱۱] (تمہاری اولاد کے بارے میں اللہ تمہیں ہدایت کرتا ہے کہ مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے، اگر [میت کی وارث] دو سے زائد لڑکیاں ہوں تو انہیں ترکہ کا دو تہائی دیا جائے۔ اگر ایک ہی لڑکی وارث ہو تو آدھا ترکہ اس کا ہے۔ اگر صاحب اولاد نہ ہو اور والدین ہی اس کے وارث ہوں تو ماں کو تیسرا حصہ دیا جائے۔ اور اگر میت کے بھائی بہنیں بھی ہوں تو ماں چھٹے حصے کی حق دار ہوگی۔ یہ سب حصے اس وقت نکالے جائیں گے جبکہ وصیت جو میت نے کی ہو پوری کر دی جائے اور قرض جو اس پر ہوا ادا کر دیا جائے۔ تم نہیں جانتے کہ تمہارے ماں باپ اور تمہاری اولاد میں سے کون بلحاظ نفع تم سے قریب تر ہے۔ یہ حصے اللہ نے مقرر کر دیے ہیں اور اللہ یقیناً سب حقیقتوں سے واقف اور ساری مصلحتوں کا جاننے والا ہے)۔

۲۔ ﴿وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُنَّ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلِكُمُ الرُّبْعُ مِمَّا تَرَكَنَّ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِيَنَّ بِهَا أَوْ دَيْنٍ وَاللَّهُنَّ الرُّبْعُ مِمَّا تَرَكَنَّ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكَنَّ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً أَوْ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ

يُوصَىٰ بِهَا أَوْ دَيْنٍ غَيْرٍ مُّضَارٍّ وَصِيَّةً مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ ﴿۱۲﴾ [النساء: ۱۲]

(تمہاری بیویوں نے جو کچھ چھوڑا ہو اس کا آدھا حصہ تمہیں ملے گا اگر وہ بے اولاد ہوں، ورنہ اولاد ہونے کی صورت میں ترکہ کا ایک چوتھائی حصہ تمہارا ہے، جبکہ وصیت جو انہوں نے کی ہو پوری کر دی جائے اور قرض جو انہوں نے چھوڑا ہو ادا کر دیا جائے۔ اور وہ تمہارے ترکے میں سے چوتھائی کے حق دار ہوں گی اگر تم بے اولاد ہو، ورنہ صاحب اولاد ہونے کی صورت میں ان کا حصہ آٹھواں ہو گا بعد اس کے کہ جو وصیت تم نے کی ہو وہ پوری کر دی جائے اور جو قرض تم نے چھوڑا ہو وہ ادا کر دیا جائے۔ اگر وہ مرد یا عورت [جس کی میراث تقسیم طلب ہے] بے اولاد بھی ہو اور اس کے باپ دادا بھی زندہ نہ ہوں مگر اس کا [ماں کی طرف سے] ایک بھائی یا ایک بہن موجود ہو تو بھائی بہن ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا اور بھائی بہن ایک سے زیادہ ہوں تو کل ترکہ کے ایک تہائی میں وہ سب شریک ہوں گے، جبکہ وصیت جو کی گئی ہو وہ پوری کر دی جائے اور قرض جو وصیت نے چھوڑا ہو ادا کر دیا جائے بشرطیکہ وہ ضرر رساں نہ ہو۔ یہ حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اللہ تعالیٰ دانا و بینا اور نرم خو ہے۔)

۳۔ ﴿يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ إِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ وَهُوَ يَرِثُهَا إِن لَّمْ يَكُنْ لَهَا وَلَدٌ فَإِن كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثَانِ مِمَّا تَرَكَ وَإِن كَانُوا إِخْوَةً رِّجَالًا وَنِسَاءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثِيَيْنِ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ أَن تَضِلُّوا وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۱۷۶﴾ [النساء: ۱۷۶] (لوگ آپ سے "کلالہ" کے معاملے میں فتویٰ پوچھتے ہیں، کہو اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے اگر کوئی شخص بے اولاد مر جائے اور اس کی [سگی یا باپ کی طرف سے] ایک بہن ہو تو وہ اس کے ترکہ میں سے نصف پائے گی، اور اگر بہن بے اولاد مرے تو [سگا یا باپ کی طرف سے] بھائی اس کے پورے مال کا وارث ہو گا، اگر میت کی وارث [سگی یا باپ کی طرف سے] دو بہنیں ہوں تو وہ ترکہ میں دو تہائی کی حق دار ہوں گی، اور اگر کئی بھائی بہنیں ہوں تو عورتوں کا اکہر اور مردوں کا دوہرا حصہ ہو گا، اللہ تمہارے لیے احکام کی توضیح کرتا ہے تاکہ تم بھٹکتے نہ پھرو اور اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔)

احکام میراث سے متعلق احادیث

• حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: عن

ابن عباس رضی اللہ عنہما: عن النبی صلی اللہ علیہ و سلم قال: ألقوا الفرائض بأهلها، فما بقي فهو لأولى رجل ذکر^۱ (جن ورثا کے حصے مقرر ہیں انہیں ان کے حصے دے دو، جو بیچ جائے وہ زیادہ قریبی مرد رشتہ دار کا ہے)۔

✓ • حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو مومن مال چھوڑ کر مرے، تو وہ اس کے عصبات / ورثا کا ہوگا اور اگر اس پر قرضہ ہو یا کم سن بچے ہوں [اور ترک نہ چھوڑا ہو] تو وہ مجھ پر ہے۔"^۲

• حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ فرمایا کہ "(میت کے) قرضہ کی ادائیگی، وصیت کے نفاذ سے پہلے ہوگی، نیز سگے بہن بھائیوں اور باپ شریک بہن بھائی دونوں موجود ہوں تو سگے ہی وارث ہوں گے۔"^۳

• حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جنگ احد کے بعد حضرت سعد بن ربیعؓ کی بیوی اپنی دو بچیوں کو لیے ہوئے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ سعد کی بچیاں ہیں جو آپ کے ساتھ احد میں شہید ہوئے ہیں، ان کے چچانے

۱- صحیح بخاری، کتاب الفرائض، باب ۴، حدیث ۶۳۵۱؛ صحیح مسلم، کتاب الفرائض، باب ألقوا الفرائض بأهلها، حدیث ۱۶۱۵

۲- صحیح بخاری، کتاب الاستقراض، باب الصلاة علی من ترک دیناً، حدیث ۲۳۹۹؛ صحیح مسلم، کتاب الفرائض، باب من ترک مالا فلورثته

۳- مسند احمد: ۱۳۱، حدیث ۱۸۱؛ سنن ترمذی، کتاب الفرائض، باب میراث الاخوه من الأب والام، حدیث ۲۰۹۴؛ ابن ماجہ، کتاب الوصایا، باب الدین قبل الوصیة، حدیث ۲۷۱۵

پوری جائداد اپنے قبضے میں لے لی ہے اور ان کے لیے ایک جَبَّہ تک نہیں چھوڑا، اب بھلا ان بچیوں سے کون نکاح کرے گا۔ اس پر میراث کی درج بالا آیات نازل ہوئیں اور رسول اللہ ﷺ نے ان کے چچا کو بلا کر فرمایا: "بچیوں کو کل ترکہ کا دو تہائی اور ان کی ماں کو آٹھواں حصہ دے دو، اس کے بعد جو بیچ جائے وہ تمہارا ہے۔" ^۱

• حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ان سے پوچھا گیا کہ ایک عورت کا ترکہ اس کے شوہر اور سگی بہن میں کس طرح تقسیم ہوگا؟ تو انہوں نے دونوں کو ترکہ میں نصف نصف کا حق دار ٹھہرایا اور کہا کہ میں نے حضور اکرم ﷺ کو اسی طرح فیصلہ فرماتے دیکھا ہے۔ ^۲

• ہزبیل بن شَرِّ حَبِیل کہتے ہیں کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے میراث کے ایک مسئلے کے بارے میں پوچھا گیا جس میں میت ایک بیٹی، پوتی اور بہن چھوڑ کر مرا تھا تو انہوں نے کہا کہ کل ترکہ کا نصف بیٹی کو اور بقیہ نصف بہن کو ملے گا۔ پھر کہا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود سے بھی پوچھ لو وہ میری تائید ہی کریں گے۔ سائل نے حضرت ابن مسعود کے ہاں حضرت ابو موسیٰ کا فتویٰ ذکر کیا تو انہوں نے کہا کہ اگر میں بھی وہی فتویٰ دوں جو ابو موسیٰ نے دیا ہے تو یقیناً میں راہ راست سے بھٹک جاؤں گا۔ میں اس کے بارے میں وہی فتویٰ دوں گا جو آنحضور ﷺ نے دیا تھا: بیٹی کو کل ترکہ کا نصف، پوتی کو چھٹا حصہ (بیٹوں کے دو تہائی حصہ کی تکمیل کے طور پر) اور باقی بہن کا ہوگا۔ بخاری اور مسند احمد کی روایت

۱- مسند احمد ۳: ۳۵۲، حدیث ۱۳۵۰۳؛ سنن ابو داؤد، کتاب الفرائض، باب میراث الصلب، حدیث ۲۸۹۲؛ سنن

ترمذی، کتاب الفرائض، باب میراث البنات، حدیث ۲۰۹۲؛ ابن ماجہ، کتاب الفرائض، باب فرائض

الصلب، حدیث ۲۷۲۰

۲- مسند احمد ۵: ۱۸۸، حدیث ۲۰۶۶۷، ۲۰۶۸۳

میں ہے کہ ہم نے حضرت ابو موسیٰؓ کو ابن مسعودؓ کے فتویٰ کے متعلق بتایا تو انہوں نے کہا کہ جب تک ایسا بڑا عالم تمہارے درمیان موجود ہو مجھ سے مسائل نہ پوچھا کرو۔^۱

• اسود کہتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ جب یمن میں تھے، تو اس وقت انہوں نے میت کے ورثا صرف بہن اور بیٹی ہونے کی صورت میں ہر ایک کو ترکہ میں سے نصف دیا، حضور اکرم ﷺ اس وقت ہمارے درمیان تھے۔^۲

• قبیسہ بن ذؤیب کہتے ہیں کہ ایک دادی / نانی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور ان سے (اپنے پوتے / نواسے کے) ترکہ میں سے حصہ دینے کا مطالبہ کیا۔ حضرت ابو بکرؓ نے اسے کہا کہ اللہ کی کتاب میں تمہارے حصے کا ذکر نہیں، نیز مجھے رسول اکرم ﷺ کی سنت مطہرہ میں بھی تمہارے لیے کوئی حصہ ہونے کا علم نہیں۔ فی الحال تم چلی جاؤ میں لوگوں سے پوچھ کر تمہیں بتاؤں گا۔ چنانچہ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اسے (دادی / نانی کو) چھٹا حصہ عطا فرماتے دیکھا ہے۔ حضرت ابو بکرؓ نے ان سے پوچھا کیا تمہارے ساتھ کوئی اور بھی ایسی گواہی دے سکتا ہے؟ اس پر محمد بن مسلمہ انصاریؓ اٹھے اور حضرت مغیرہ کی بات کی تائید کی۔ چنانچہ حضرت ابو بکرؓ نے اسے ترکہ میں سے چھٹا حصہ دینے کا فیصلہ فرمادیا۔ پھر حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں ایک اور دادی / نانی آپ کے پاس آئی جو حصہ طلب کر رہی تھی۔ حضرت عمرؓ نے اسے کہا کہ اللہ کی کتاب میں

۱۔ مسند احمد ۱: ۳۸۹، حدیث ۳۳۶۸؛ صحیح بخاری، کتاب الفرائض، باب ۸، حدیث ۶۷۳۶؛ سنن ابوداؤد، کتاب

الفرائض، باب میراث الصلب، حدیث ۲۸۹۰؛ سنن ترمذی، کتاب الفرائض، باب ۴، حدیث ۲۰۹۳؛

ابن ماجہ، کتاب الفرائض، باب فرائض الصلب، حدیث ۲۷۲۱

۲۔ سنن ابوداؤد، کتاب الفرائض، باب میراث الصلب، حدیث ۲۸۹۳، حدیث ۶۷۳۳، کتاب الفرائض،

باب میراث البنات، نیز بخاری میں بھی اس مفہوم کی حدیث روایت ہوئی ہے۔

تمہارے لیے کوئی حصہ مقرر نہیں، البتہ چھٹا حصہ ہے، اگر تم دونوں کسی مسئلے میں جمع ہو جاؤ تو یہ تم دونوں میں تقسیم ہوگا، اور اگر تم دونوں میں سے کوئی ایک ہی ہوگی تو یہ اس کا حصہ ہوگا۔^۱

• حضرت بُریدہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ماں کی عدم موجودگی میں دادی / نانی کو کل ترکہ کا چھٹا حصہ عطا فرمایا۔^۲

• حضرت مقدم بن معدی کرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "جو شخص مال چھوڑ کر فوت ہوا ہو وہ اس کے ورثا کا ہوگا، اور میں (اسلامی حکومت کے سربراہ کے طور پر) اس شخص کا وارث ہوں جس کا کوئی وارث نہ ہو، اس کی مالی ذمہ داریاں ادا کروں گا اور اس کے ترکہ کا وارث بنوں گا، اور جس شخص کا کوئی اور قریبی وارث موجود نہ ہو تو اس کا ماموں اس کا وارث قرار دیا جائے گا۔"^۳

• حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب کسی بچے نے پیدائش کے بعد چیخنے کی آواز نکالی اور پھر فوت ہو گیا تو وہ وارث قرار دیا جائے گا۔"^۴

۱- موطا مالک ۲: ۵۱۳؛ مسند احمد ۳: ۲۲۵؛ سنن ابوداؤد، کتاب الفرائض، باب الجدة، حدیث ۲۸۹۳؛ ترمذی: کتاب

الفرائض، باب میراث الجدة، حدیث ۲۱۰۱؛ ابن ماجہ، کتاب الفرائض، باب میراث الجدة، حدیث ۲۷۲۳

۲- سنن ابوداؤد، کتاب الفرائض، باب الجدة، حدیث ۲۸۹۵

۳- مسند احمد ۳: ۱۳۱، ۱۳۳؛ سنن ابوداؤد، کتاب الفرائض، باب میراث ذوی الارحام، حدیث ۲۸۹۹، ۲۹۰۰؛

سنن ابن ماجہ، کتاب الفرائض، باب ذوی الارحام، حدیث ۲۷۳۸

۴- سنن ابوداؤد، کتاب الفرائض، باب فی المولود یستهل ثم یموت، حدیث ۲۹۲۰

- حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: مسلمان کسی کافر کا اور نہ کوئی کافر کسی مسلمان کا وارث بن سکتا ہے۔^۱
- حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا: قاتل کو مقتول کے ترکہ میں سے حصہ نہیں ملے گا۔^۲

۱۔ موطاً مالک ۲: ۵۱۹؛ صحیح بخاری، کتاب الفرائض، باب ۲۶، حدیث ۶۷۶۳؛ صحیح مسلم، کتاب الفرائض باب ۱،

حدیث ۴۱۳۰

۲۔ موطاً مالک ۲: ۸۶۷؛ مسند احمد ۱: ۴۹، حدیث ۲۹۶، ۳۶۷؛ سنن ابن ماجہ، کتاب الفرائض، باب میراث القاتل

(عن أبي هريره)، حدیث ۲۷۶۶

اسلام کے نظام وراثت کی چند اہم خصوصیات

اسلام کے نظام وراثت کی بعض ایسی خصوصیات ہیں جو دیگر نظاموں میں ہمیں نظر نہیں آتیں۔ ذیل میں ایسی چند خصوصیات کا ذکر کیا جاتا ہے:

• اسلام نے وراثت کی ایک بڑی تعداد کو ترکہ میں حصہ دار بنا کر ایک جگہ جمع ہو جانے والی دولت کو پھیلا یا اور اسے گردش میں لایا ہے۔ اس سے ایک طرف بڑے بڑے سرمائے ایک جگہ جمع ہو رہنے کے بجائے مختلف چھوٹی چھوٹی ملکیتوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں، تو دوسری طرف خاندان کی اکائی مضبوط ہوتی ہے اور اس میں استحکام پیدا ہوتا ہے۔ ملکیت کے حوالے سے حسد و کینہ پروری اور کدورت کے عوامل ختم ہو جانے کی وجہ سے خاندان متحد و منظم رہتا ہے۔

• اسلام کے نقطہ نظر سے ترکہ کی تقسیم ناگزیر ہے۔ کوئی شخص اپنی زندگی میں اپنے ترکہ میں سے حصہ پانے والے کسی وارث کو اس سے محروم یا عاق (disinherit) نہیں کر سکتا۔ وارث کو ہر صورت میں میت کے ترکہ میں سے حصہ مل کر رہے گا، بشرطیکہ اس میں حصہ پانے کی شرائط پائی جائیں۔ البتہ وارث کسی ایک یا تمام وراثت کے حق میں آزادانہ مرضی سے اپنے حصے سے دست بردار ہو سکتا ہے۔

• اسلام نے حصوں کی کمی بیشی میں قرابت داری کو بنیاد بنایا ہے۔ چنانچہ جو زیادہ قریبی رشتہ دار ہے وہ نسبتاً دور والے رشتہ دار کو حصہ پانے سے محروم کر دے گا یا اس کے مقابلے میں زیادہ حصہ پائے گا۔ لہذا باپ کو دادا پر، ماں کو دادی اور نانی پر اور بیٹے کو پوتے پر، اسی طرح بیٹے، پوتے اور باپ کو بھائی پر فوقیت دی گئی ہے۔

• اسلامی قانون وراثت میں میت کے ترکہ میں سے حصہ پانے والوں کا تعین خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور ترکے کی تقسیم کا اختیار موث (میت) کو نہیں دیا۔ اس لیے کہ انسان

پر خواہشاتِ نفس کا غلبہ ہو سکتا ہے جن کی بنا پر وہ کسی وقتی جذبے کے تحت ترکے کے بعض حق داروں کو یا تو بالکل محروم کر سکتا ہے یا پھر بلا جواز ان کے حصوں میں کمی کر سکتا ہے۔ اس لیے شریعت اسلامیہ نے وراثت اور ان کے حصوں کا تعین فرما کر اس بات کا سدباب کر دیا ہے۔

○ اسلام نے قانون میراث کے ذریعے کمزور افراد، عورتوں اور بچوں کو ان کے حقوق دیے اور ان کا خاطر خواہ تحفظ کیا، جبکہ دیگر مذاہب اور تہذیبوں میں عورت اپنے جائز حق وراثت سے محروم رہی ہے اور عموماً اسے نظر انداز کیا گیا ہے (جیسا کہ اس کی کچھ تفصیل پہلے دی جا چکی ہے)۔

○ اسلام نے بعض صورتوں میں ضرورت و احتیاج کو حصوں میں کمی بیشی کی بنیاد بنایا ہے۔ اسی لیے بیٹی کا حصہ اس کے بھائی کے مقابلے میں آدھا رکھا گیا ہے اس لیے کہ اسے مال ملکیت کی زیادہ ضرورت ہے، اس کی مالی ذمہ داریاں بیٹی کے مقابلے میں بہت زیادہ ہیں۔ اس نے اپنی بیوی کو مہر دینا ہوتا ہے، اپنے بیوی بچوں، والدین، بہن بھائیوں اور دیگر رشتہ داروں کی اگر وہ تنگ دست ہوں، کفالت کرنا ہوتی ہے۔ جبکہ عورت پر اس طرح کی کوئی ذمہ داری اسلام نے نہیں ڈالی، بلکہ ولادت سے وفات تک اس کی کفالت کی تمام تر ذمہ داری مرد پر رکھی گئی ہے۔ چنانچہ عدل و انصاف کا تقاضا یہی تھا کہ اس کا حصہ بھی اس کے بھائی کے مقابلے میں کم رکھا جائے۔

ضرورت و احتیاج کے اسی اصول کے پیش نظر اسلام نے متوفی کے بیٹے کا حصہ اس کے باپ کے حصے سے زیادہ رکھا ہے۔ اس لیے کہ بیٹا نو عمر ہے، اسے ابھی زندگی کے مسائل و مشکلات اور ذمہ داریوں کا سامنا کرنا ہے، جبکہ باپ بوڑھا اور کمزور ہے، اسے

اتنا ہی مال درکار ہے جس سے وہ اپنے بڑھاپے کی حفاظت کر سکے اور ضروریات زندگی کے لیے اسے کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلا نا پڑے۔*

مرد کا حصہ دو گنا کیوں؟

اسلام میں عورت کے حصے کا مرد سے آدھا ہونے پر مغرب کے طرز فکر سے متاثر حضرات کی طرف سے شبہات اور اعتراضات کا ایک سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ مثلاً یہ کہ عورت کے ساتھ صنفی تخصیص روار کھی گئی ہے، یا یہ کہ عورت کو آدھے مرد کے برابر قرار دیا گیا ہے، یہ کہاں کا انصاف ہے کہ مرد کو دو حصے دیے جائیں اور عورت کو ایک، جبکہ عورت زیادہ قابل رحم اور مالی اعانت کی زیادہ مستحق ہے۔ وہ مردوں کی طرح تجارت و زراعت نہیں کر سکتی۔ شوہر کی دست بستہ غلام ہے۔ بچوں کی پرورش کرنے والی ہے۔ علاوہ ازیں حمل کی گرانی، وضع حمل کی تکلیف اور رضاعت کی محنت و مشقت اسے بالکل ناتواں کر دیتی ہے۔ اس لیے اس کا حصہ ہونا تو زیادہ چاہیے تھا اور اگر زیادہ نہیں کم از کم برابر تو ضرور ہونا چاہیے تھا!

ان سارے اعتراضات کی وجہ دراصل ہماری کم علمی اور ہمارے ہاں عورت کی موجودہ اتر معاشی حالت ہے جس کا سبب اسلامی نظام میراث نہیں، بلکہ ہمارا معاشرہ ہے۔ ہمارے معاشرے میں آج تک عملی زندگی میں عورت کے حق وراثت کو تسلیم نہیں کیا گیا، اور عموماً عورتوں کو ان کے حق سے محروم رکھا جاتا ہے، خصوصاً بیٹیاں پر ایسا دھن سمجھی جاتی ہیں، لہذا انہیں بوقت شادی جہیز کی صورت میں کچھ دے دلا کر رخصت کر دیا جاتا ہے اور انہیں خاندانی جائداد اور وراثت میں حصہ نہیں دیا جاتا۔ حالانکہ ایسا کرنے والا صریحاً اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی نافرمانی کا مرتکب ہوتا ہے۔

* مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: المیراث فی الشریعة الإسلامیة، ص ۴-۵۶

اسلام میں عورت کا حصہ میراث نصف مقرر کرنے میں اللہ تعالیٰ کی عظیم حکمت کار فرما ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس نظام کی مصالحت اور حکمتوں کو کما حقہ سمجھنا ہماری ناتواں عقل سے باہر ہے۔ بایں ہمہ اگر غور کیا جائے تو اس حکم کی حسب ذیل مصلحتیں سامنے آتی ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے مرد کو دو گنا حصہ اس کی ذمہ داریوں کی وجہ سے دیا ہے، کیونکہ زندگی میں زیادہ تر معاشی، تعلیمی اور تربیتی ذمہ داریاں بنیادی طور پر مردوں پر ہیں، جن سے عورت بالکل مستثنیٰ ہے، بلکہ خود عورت کی اپنی کفالت کا بار بھی شادی سے پہلے اس کے سر پرست پر رکھا گیا ہے اور شادی کے بعد خاوند یا اس کی اولاد پر، ایسی صورت میں دونوں کو مساوی حقوق دینا کس طرح قرین انصاف تھا۔

نامور مفکر محمد قطب لکھتے ہیں:

اسلام کا قانون یہی ہے کہ میراث میں مرد کا حصہ عورت سے دو گنا ہے۔ یہ بالکل فطری اور منصفانہ تقسیم ہے کیونکہ اخراجات کی ذمہ داری مرد پر رکھی گئی ہے، عورت پر مالی ذمہ داریوں کا کوئی بوجھ نہیں رکھا گیا۔ دوسرے انداز سے دیکھیے: کل ورثے کا ایک تہائی عورت (بیٹی) کو صرف اپنی ذات کے لیے ملتا ہے، جبکہ باقی دو تہائی مرد (بیٹے) کو دیا جاتا ہے تاکہ وہ اپنے بیوی بچوں اور خاندان کی ضروریات پوری کرے۔ اس سے ظاہر ہے کہ وراثت کا بیشتر حصہ کس کو ملتا ہے عورت کو یا مرد کو۔*

مرد خاندان کی معاشی اور مالی ذمہ داریاں پوری کرنے کا پابند ہے۔ اگر وہ بیوی کو نان نفقہ دینے سے انکار کر دے یا آمدنی کے لحاظ سے اس کو کم خرچہ دے، تو بیوی ذاتی طور پر مال دار اور صاحب حیثیت ہونے کے باوجود بھی اس کے خلاف مقدمہ دائر کر کے نان و نفقہ کا مطالبہ

* محمد قطب، اسلام اور جدید ذہن کے شبہات / شبہات حول الاسلام، IFSO، کویت، ۱۹۸۵ء، ص ۱۱۹-۱۲۰

کر سکتی ہے۔ اس لیے مرد کو گھرانے کا سربراہ ہونے کی وجہ سے جو ذمہ داریاں پوری کرنا پڑتی ہیں، ان کا تقاضا ہے کہ اسے وراثت میں زیادہ حصہ دیا جائے۔

۲۔ میراث میں آدھے حصے کی تلافی بھی اسلام کرتا ہے۔ وہ اس طرح کہ ایک تو بیوی کو شوہر سے مہر دلواتا ہے جو کہ بلا شرکت غیرے صرف اسی کا ذاتی حق ہے۔ دوسرے یہ کہ شادی میں جو مال و زر اور تحفے تحائف دیے جاتے ہیں، اس کی مالک بھی وہ خود ہی ہوتی ہے۔ اسی طرح اگر اس کے پاس کوئی جائیداد وغیرہ ہے، تو وہ صرف اسی خاتون کا حق ہے، کوئی اسے اس کے خاوند یا بچوں پر خرچ کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا، جبکہ مرد قانوناً اپنے حصے کے مال و دولت کو دوسروں پر خرچ کرنے کا پابند ہے۔

ماں باپ کی طرف سے ملنے والا حصہ بھی ذاتی طور پر اسے مل جاتا ہے اور اسے اپنے بچوں یا شوہر کی کفالت بھی نہیں کرنی پڑتی۔

۳۔ قانون وراثت میں اصل اہمیت چونکہ نسب کو دی جاتی ہے، اس لیے اس ضابطے کے تحت ضروری نہیں کہ مرد کو زیادہ حصہ ہی ملے۔ یہ عین ممکن ہے کہ ایک عورت مورث (میت) سے قریبی تعلق رکھتی ہو اور اس مرد سے زیادہ حصہ پائے جو مورث کا دور کارشتہ دار ہے۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ عورت اپنے خاندان (والدہ، والد، بھائی، بہن وغیرہ) سے بھی وراثت میں حصہ پاتی ہے اور اپنے خاوند کے خاندان (خاوند اور اپنے بیٹے، بیٹیوں وغیرہ) سے بھی۔

۴۔ ان پہلوؤں سے قطع نظر، اصولی طور پر اسلام نے عورتوں کو سماج میں مردوں کے مساوی حیثیت دی اور وراثت کا مستحق ٹھہرایا۔ اسلام کی جانب سے عورتوں کی مزید عزت افزائی کا مظہر یہ ہے کہ اس نے تقسیم میراث میں حصہ نسواں کو اصل پیمانہ قرار دیا ہے اور اس کی نسبت سے مردوں کا حصہ بیان کیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿يُؤْتِيكُمُ اللَّهُ فِي

أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثِيَيْنِ ﴿ [النساء: ۴: ۱۱] (تمہاری اولاد کے بارے میں اللہ تمہیں ہدایت کرتا ہے کہ مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے)۔

قرآن کی یہ تعبیر قابلِ غور ہے۔ یوں بھی کہا جاسکتا تھا کہ عورت کے لیے مرد کے حصے کا نصف ہے یا دو عورتوں کو ایک مرد کے برابر حصہ ملے گا، لیکن اس کے بجائے یہ کہا گیا کہ مرد کے لیے دو عورتوں کے حصے کے برابر ہے۔ اس کی حکمت یہ ہے کہ قرآن کی نظر میں میراث میں لڑکی کا حصہ اصل ہے؛ اسی لیے اسے تقسیم میراث کے معاملے میں پہانہ اور بنیاد بنایا گیا ہے۔

پھر یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ مستحقین میراث میں کچھ لوگ وہ ہیں جو دوسرے وارثین کی موجودگی میں میراث سے بالکل محروم ہو جاتے ہیں، مثلاً بھائی جو باپ کی موجودگی میں محروم رہتا ہے۔ اسی طرح بعض لوگ وہ ہیں جو بالکل محروم نہیں ہوتے البتہ ان کا حصہ کم ہو جاتا ہے۔ چھ وارثین ایسے ہیں جو کسی بھی حال میں میراث سے بالکل محروم نہیں ہوتے: شوہر، بیٹا، باپ، بیوی، بیٹی اور ماں۔ اس فہرست میں اگر تین مرد ہیں تو تین عورتیں بھی ہیں۔

اس کے علاوہ میراث میں اصحاب الفروض کے جو حصے متعین کیے گئے ہیں، ان کے مستحقین میں عورتوں کی تعداد مردوں کے مقابلے میں دو گنا ہے۔

نیز تقسیم میراث کے متعدد حالات ایسے ہیں جن میں عورت کا حصہ مرد کے برابر ہوتا ہے اور ان کے درمیان کوئی تفریق نہیں ہوتی۔ جیسے: زینہ اولاد کی موجودگی میں ماں باپ میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا۔ میت کے اصول (باپ دادا) اور فروع (بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی...) میں سے کوئی نہ ہو اور اس کے اخیانی (ماں شریک) بہن بھائی ہوں تو سب ایک تہائی میں برابر کے حصہ دار ہوں گے۔ نیز بعض حالات میں حقیقی بہن اتنا ہی حصہ پاتی ہے جتنا حقیقی بھائی مستحق بنتا ہے۔

ان صورتوں کے علاوہ جن میں عورت کا حصہ مرد سے زیادہ یا اس کے برابر ہوتا ہے، صرف درج ذیل حالتوں میں ہی عورت کا حصہ مرد کا نصف ہوتا ہے۔ جیسے:

• اولاد اور شوہر یا بیوی کی عدم موجودگی میں ماں کا حصہ ایک تہائی ہوتا ہے اور بقیہ کا مستحق باپ قرار پاتا ہے۔

• میاں بیوی میں سے کوئی ایک وفات پا جائے اور دوسرے کو چھوڑ جائے تو عورت یعنی بیوی کا حصہ مرد یعنی شوہر کے مقابلے میں نصف ہوتا ہے۔

• اگر میت کی اولاد بیٹے بیٹیاں یا پوتے پوتیاں (تا آخر) ہوں تو ان کے درمیان میراث اس طرح تقسیم ہوگی کہ ہر ایک لڑکے کو دو لڑکیوں کے برابر حصہ ملے گا۔

• اسی طرح اگر میت کے حقیقی یا باپ شریک بھائی بہن ہوں تو ان کے درمیان بھی میراث اس طرح تقسیم ہوگی کہ ہر مرد کو دو عورتوں کے برابر حصہ ملے گا۔

بایں ہمہ شریعت اسلامیہ کے پورے قانون میں معاشی، معاشرتی اور قانونی ذمہ داریوں کا بار چونکہ زیادہ تر مرد پر ہی عائد کیا گیا ہے، اس لیے عورت کو مرد کے مقابلے میں اکثر اوقات نصف حصہ یا نصف رتبہ دیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر وراثت، دیت اور قانون شہادت وغیرہ میں عورت کا حصہ کئی جگہ مرد کے مقابلے میں نصف رکھا گیا ہے، مگر اس کا مطلب عورت کے درجے اور رتبے میں کمی ہرگز نہیں؛ بے شمار دوسرے مواقع پر عورت کا درجہ زیادہ یا مساوی رکھا گیا ہے۔ مثلاً علم و عمل اور اخروی اجر و ثواب کے حصول میں دونوں میں کوئی فرق نہیں، جبکہ خدمت و اطاعت میں اولاد کے لیے والدہ کا درجہ زیادہ ہے۔ اولاد میں سے دختر کی اولاد کی پرورش، تربیت اور نگہداشت پر لڑکوں کی نسبت زیادہ اجر و ثواب ہے۔ علاوہ ازیں بہت سے مقامات پر اللہ تعالیٰ نے عورت کا درجہ مرد سے بڑھا دیا ہے۔ اس طرح شریعت نے دونوں کے مابین توازن اور اعتدال قائم رکھا ہے جو صحت مند معاشرے کے لیے ضروری ہے۔

ترکہ میت سے وابستہ حقوق*

کسی کی میراث یا ترکہ ورثا کے درمیان اس وقت تک تقسیم نہیں ہو سکتا جب تک تین چیزوں (حقوق) کے اخراجات اس کے ترکہ سے پورے نہ کر لیے جائیں۔ اگر ان تین چیزوں پر خرچ کے بعد کچھ بچے تو وہ وارثوں کو ملے گا۔ یہ تین چیزیں یا حقوق یہ ہیں:

۱۔ تجہیز و تکفین ۲۔ قرض کی اداگی ۳۔ نفاذ وصیت

۱۔ تجہیز و تکفین (Funeral Expenses)

یہ میت کے ترکہ پر ثابت ہونے والے سب سے پہلے اخراجات ہیں۔ تجہیز کے بعد تکفین یا تدفین کے لفظ کا استعمال لفظ عام کے بعد خاص کا استعمال ہے۔ تجہیز و تکفین کی اداگی قرض پر مقدم ہے۔ اس لیے سب سے پہلے میت کے ترکہ سے اس کی تجہیز و تکفین کی جائے گی۔ تجہیز و تکفین کے حوالے سے چند مسائل درج ذیل ہیں:

۱۔ مردے کو کفن اسی حیثیت کا دینا چاہیے جس حیثیت کا کپڑا وہ اپنی زندگی میں عام طور پر استعمال کرتا تھا، بہت کم قیمت کفن دینا بھی اچھا نہیں ہے مگر اس کی حیثیت سے زیادہ بہت بیش قیمت کفن دینا بھی اسراف اور گناہ کے زمرے میں آتا ہے۔

۲۔ ہر حال میں کچی قبر بنانی چاہیے، مرنے والا چاہے غریب ہو یا مال دار، قبر کی کھدائی کا خرچہ ترکہ سے لے لینا چاہیے۔ اگر قبر کی زمین خریدنے کی ضرورت پیش آئے تو اس کی قیمت بھی ترکہ سے لی جاسکتی ہے۔ اگر کہیں ضرورت ہو تو نہلانے والوں اور قبر تک پہنچانے کی مزدوری بھی ترکہ سے دی جاسکتی ہے۔

* الفقه الإسلامی وأدلته ۸: ۲۶۹-۲۷۷؛ محمد علی الصابونی، الموارث فی الشریعة الإسلامیة ص ۳۳-۳۵؛

الموسوعة الفقهیة، وزارت اوقاف، کویت ۱۹۸۲ء، ۳: ۱۹-۲۱

غرض کہ تجہیز و تکفین کے سلسلے میں دو باتوں کا خاص طور پر خیال رہنا چاہیے۔ ایک یہ کہ تجہیز و تکفین کا خرچ میت ہی کے ترکے سے لیا جائے۔ اگر دوسرے اعزہ و اقارب اپنی خوشی سے اس کا خرچ برداشت کر لیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ دوسرے یہ کہ اس میں فضول خرچی بالکل نہ کی جائے ورنہ دوہرا گناہ ہوگا؛ ایک سنت نبوی کی خلاف ورزی کا، دوسرے وارثوں کی حق تلفی کا، کیونکہ ترکہ ورثا کا حق ہے۔

۳۔ عام طور پر قبرستان میں تدفین کے وقت جو صدقہ کیا جاتا ہے، یا کپڑا وغیرہ تقسیم کیا جاتا ہے، یا آنے والوں کی خاطر تواضع میں خرچ کیا جاتا ہے؛ اگر بالغ ورثا ترکے سے اپنی خوشی سے ایسا کریں تو اس میں کوئی حرج نہیں مگر اس سلسلے میں دو تین باتیں ملحوظ رکھنی چاہئیں:

ایک یہ کہ اگر ورثا میں کوئی نابالغ وارث بھی ہو تو پھر اس کے حصے سے صدقہ خیرات کرنا جائز نہیں۔ دوسرے یہ کہ عموماً ایسا نام و نمود کے لیے کیا جاتا ہے، اس لیے اگر صدقہ و خیرات کرنا ہے تو قبرستان کے بجائے اپنے گھر پر چھپا کر کرنا چاہیے۔ تیسرے یہ کہ جو لوگ تیجہ، چہلم اور برسی وغیرہ میں کھانے وغیرہ پر خرچ کرتے ہیں خواہ وہ ترکے سے کریں یا اپنے پاس سے، دونوں صورتیں جائز نہیں۔ یہ چیز نہ تو رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے اور نہ صحابہ، تابعین اور تبع تابعین یا ائمہ مجتہدین سے، اس لیے اس سے پرہیز کرنا چاہیے۔

۴۔ اگر کوئی دوسرا شخص ثواب کی نیت یا تعلق کی بنا پر تجہیز و تکفین کا خرچ دینا چاہتا ہے تو یہ ورثا کی مرضی پر ہے، اسے قبول کریں یا نہ کریں۔

۵۔ بیوی کی تجہیز و تکفین کا خرچ سب سے پہلے شوہر پر ہے۔ اگر شوہر موجود نہ ہو تو پھر بیوی کے ترکے سے لیا جائے گا۔

۶۔ اگر میت نے کوئی ترکہ چھوڑا ہی نہ ہو، تو اس کی تجہیز و تکفین کا خرچ وہ لوگ برداشت کریں گے جو ترکہ چھوڑنے کی صورت میں اس کے وارث ہوتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک وارث کو اسی حساب سے خرچ دینا واجب ہے، جس حساب سے وہ وراثت میں حصہ پائے۔ مثلاً ایک وارث آدھا ترکہ پاتا اور دو وارث آدھے میں نصف نصف پاتے، تو اگر تجہیز و تکفین میں ایک ہزار روپے خرچ ہوں گے تو پانچ سو روپے پہلا وارث دے اور ۲۵۰، ۲۵۰ روپے دونوں وارث دیں۔

۷۔ اگر کسی کے وارث اور رشتہ دار نہ ہوں تو اس کی تجہیز و تکفین کی ذمہ داری اسلامی حکومت پر ہے اور جہاں اسلامی حکومت نہیں ہے وہاں اس بستی یا محلے کے لوگوں پر اس کی تجہیز و تکفین کا خرچ واجب ہے، وہ چندہ کر کے پورا کریں۔^۱

۲۔ قرض کی ادائیگی (Payment of Debts)

تجہیز و تکفین کے بعد جو بچے اس سے میت کے وہ قرضے ادا کیے جائیں جن کا تعلق حقوق العباد سے ہو۔ اس میں بیوی کا مہر وغیرہ بھی شامل ہے۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: "مومن کی روح اس وقت تک معلق رہتی ہے جب تک اس پر جو قرضہ ہو وہ ادا نہ کر دیا جائے۔"^۲

جو قرضے خالص حقوق اللہ ہیں، جیسے زکاۃ، کفارات، نذر، احناف کے نزدیک وہ ترکہ سے ادا نہیں کیے جائیں گے، البتہ باقی فقہاء کے نزدیک ترکہ کی ورثا میں تقسیم سے قبل ان کی ادائیگی بھی ضروری ہے۔ حنفی فقہاء اپنے موقف کے حق میں کئی دلیلیں پیش کرتے ہیں، ان

۱۔ ندوی، مجیب اللہ، اسلامی فقہ، پروگریسو بکس، لاہور، ۱۹۹۱ء، ۲: ۲۸۲-۲۸۵

۲۔ الفقہ الإسلامی وأدلته ۸: ۲۳۹؛ صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب ما جاء عن النبی ﷺ أنه قال: (نفس

المؤمن معلقة بدينه حتى يقضى عنه)

میں سے ایک یہ ہے کہ عبادت میں مکلف کی نیت اور اس کا فعل بنیادی حیثیت رکھتے ہیں اور موت کے ساتھ ہی اس کی نیت اور فعل دونوں ختم ہو جاتے ہیں جس کی بنا پر وجوب باقی نہیں رہتا۔ اس کے برخلاف حقوق العباد کی ادا نگی کے لیے نیت اور فعل کی شرط نہیں ہوتی۔ ائمہ ثلاثہ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ موت سے حقوق کی ادا نگی ساقط نہیں ہوتی۔ ان کے نزدیک یہ خالص اللہ تعالیٰ کے حقوق نہیں، بلکہ ان میں بندوں (غریب و مساکین) کا حق بھی شامل ہے، اور اسی کو ترجیح حاصل ہے۔

یہ اختلاف اس صورت میں ہے جب متوفی نے ایسے قرضوں (حقوق اللہ) کی ادا نگی کے بارے میں وصیت نہ کی ہو۔ متوفی کی طرف سے وصیت ہونے کی صورت میں ترکہ کی تقسیم سے قبل بالاتفاق وہ بھی ادا کیے جائیں گے۔ (حنفی فقہاء اس کو وصیت کا درجہ دے کر ان کی ادا نگی کے لیے ایک تہائی ترکہ کی شرط لگاتے ہیں)۔

قرضوں کی ادا نگی میں ترجیح

فقہانے حقوق العباد کے سلسلے میں دین (قرض) کی دو قسمیں بیان کی ہیں۔ دین الصحتہ اور دین المرض۔ دین الصحتہ وہ قرض ہے جو شہادت سے ثابت شدہ ہو خواہ وہ قرض حالت صحت کا ہو یا حالت مرض کا، دونوں صورتیں برابر ہیں۔ نیز وہ قرض جو حالت صحت میں اقرار سے ثابت ہو وہ حالت صحت کا قرض کہلائے گا اور جو قرض بحالت مرض الموت میت کا اقراری ہو (یعنی شہادت وغیرہ سے ثابت شدہ نہ ہو) وہ دین المرض کہلائے گا۔ جہاں تک ان دونوں کی ادا نگی کا تعلق ہے، تو ان میں یہ فرق رکھا گیا ہے کہ تجہیز و تکفین کے بعد دین الصحتہ کو دین المرض کے مقابلے میں ادا کرنے میں فوقیت حاصل ہوگی، لیکن دین المرض جو بحالت مرض الموت میت کے صرف اقرار سے ثابت ہو اس کو وصیت شمار کیا جائے گا اور اس کے وصیت ہونے کی حیثیت سے ترکہ کی ایک تہائی کی حد تک قابل عمل ہوگا۔

حنفی فقہانے یہ تفریق اس بنیاد پر کی ہے کہ اول تو اس دین کے ثبوت کا مرض الموت کی حالت میں میت کے اقرار کے سوا اور کوئی ذریعہ نہیں۔ دوسرے مشاہدہ میں بارہا یہ بات آئی ہے کہ لوگ بوقت مرگ اپنے مالی معاملات میں تغافل سے کام لے کر دوسرے مستحق وراثت کی حق تلفی کے مرتکب ہوتے ہیں۔

باقی تین ائمہ کے نزدیک مرض موت کی حالت میں میت کے محض اقرار سے قرضہ ثابت ہو جاتا ہے، کیونکہ ان کے نزدیک انسان اپنے آخری وقت اللہ کے زیادہ قریب ہو جاتا ہے۔ اس لیے اس کے اقرار کو جھوٹ کی تہمت سے محفوظ رکھتے ہوئے دین المرض کو دین صحت کے برابر سمجھا جائے گا اگرچہ دین مرض کے ثبوت کے لیے مرض موت میں میت کے اپنے اقرار کے سوا کچھ نہ ہو۔*

خلاصہ بحث

خلاصہ یہ کہ حنفی فقہا کے نزدیک تجہیز و تکفین کے بعد حقوق العباد یعنی قرضہ جات کی ادائیگی کی جائے گی، بشرطیکہ وہ قرضے شہادت یا میت کے اقرار بحالت صحت سے ثابت شدہ ہوں۔ حقوق اللہ میت کے ترکے سے متعلق نہ ہونے کے سبب صرف وصیت کرنے کی صورت میں عمل پذیر ہو سکیں گے۔

مالکی فقہا کے نزدیک تجہیز و تکفین کے بعد حقوق العباد خواہ وہ دین صحت ہوں یا دین مرض ادا کیے جائیں گے، اس کے بعد حقوق اللہ (زکاۃ، کفارات...) ادا ہوں گے۔ شافعی فقہا کے نزدیک تجہیز و تکفین کے بعد حقوق اللہ کو سب پر فوقیت ہے۔ حقوق اللہ کے بعد حقوق العباد خواہ دین صحت ہو یا دین مرض۔

* تنزیل الرحمن، ڈاکٹر، مجموعہ قوانین اسلام ۵: ۱۶۱۶-۱۶۳۵

حنبلی فقہاء کے نزدیک سب سے پہلے تجہیز و تکفین پھر حقوق العباد اور حقوق اللہ کی ایک ساتھ اداگی (ترکہ کم ہونے کی صورت میں بقدر تناسب کمی کے ساتھ)۔*

۳۔ تنفیذ وصیت (Compliance of Bequest)

تجہیز و تکفین اور قرضہ ادا کرنے کے بعد ترکے میں سے جو کچھ بچے، اس سے میت کی وصیت پوری کی جائے، لیکن اس کے لیے شرط ہے کہ

- ۱۔ وصیت کل ترکہ کے ایک تہائی سے زائد نہ ہو۔
- ۲۔ وصیت کسی ایسے وارث کے لیے نہ ہو جس کو اس ترکہ میں سے از روئے شرع حصہ ملنا ہو۔

۳۔ وصیت کسی ناجائز کام کے لیے نہ ہو۔

اگر متوفی نے ایک تہائی سے زائد کی وصیت کی ہو یا کسی وارث کے لیے وصیت کی ہو تو ایسی وصیت دیگر ورثا کی رضامندی سے پوری کی جاسکتی ہے ورنہ نہیں۔ اگر تمام ورثا راضی نہ ہوں تو زائد وصیت کو کم کر کے ایک تہائی کر دیا جائے گا۔ اس بارے میں تفصیلی احکام کتاب کے دوسرے حصے "وصیت" کے تحت آگے آرہے ہیں۔

۴۔ ورثا (Legal Heirs) میں تقسیم

مندرجہ بالا مصارف کے بعد ترکہ میں سے جو کچھ بچے وہ میت کے ورثا میں شریعت کے احکام کے مطابق تقسیم کرنا چاہیے۔

* ایضاً، ص ۱۶۲۵

وَرثَا کی ترتیب

شریعت نے جن رشتہ داروں کو وارث ٹھہرایا ہے، استحقاق کے لحاظ سے وہ سب یکساں نہیں، بلکہ ان کے مختلف درجے اور مراتب ہیں۔ وراثا میں ترکہ کی تقسیم حسب ذیل ترتیب سے ہوگی:

۱۔ ذوی الفروض (Sharers)

یہ وہ رشتہ دار ہیں جن کے حصے شریعت نے مقرر کر دیے ہیں اور جن کے متعلق قرآن مجید یا سنت رسول یا اجماع امت میں واضح احکام موجود ہیں۔

۲۔ عصبات (Residuaries)

یہ وہ رشتہ دار ہیں جن کا میت کے ساتھ نسبی تعلق براہ راست یا کسی مرد کے واسطے سے ہو۔ ان کا حصہ شریعت میں مقرر تو نہیں بلکہ اگر ان میں سے کوئی تنہا وارث ہو تو کل ترکہ کا اور ذوی الفروض کے ساتھ وارث بنے تو ذوی الفروض کو دے کر جو کچھ بچ جائے وہ سب ان کو ملے گا۔

۳۔ ذوی الفروض نسب پر رد (لوٹانا) (Return to Consanguine Sharers)

جب ذوی الفروض سے ترکہ بچ جائے اور عصبات بھی موجود نہ ہوں تو اس صورت میں باقی ماندہ ترکہ صرف ذوی الفروض نسب پر ان کے سابقہ حصوں کے مطابق لوٹا دیا جائے گا (یعنی دوبارہ حصے دیے جائیں گے)۔ البتہ ذوی الفروض سببیہ (میاں بیوی) میں سے کسی کو بھی اس دوسری تقسیم سے حصہ نہیں ملے گا۔ اس لیے کہ ترکہ میں ان کا استحقاق نکاح کے تعلق کی وجہ سے ہے کسی نسبی قرابت کی وجہ سے نہیں، جبکہ دوسری بار حصہ نسبی قرابت کی بنیاد پر دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا مِنْ بَعْدُ وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا مَعَكُمْ فَأُولَئِكَ مِنْكُمْ وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ [الانفال: ۸: ۷۵] (جو لوگ بعد میں ایمان لائے اور وطن سے ہجرت کر گئے اور تمہارے ساتھ

ہو کر جہاد کرتے رہے وہ بھی تم ہی میں سے ہیں۔ اور رشتہ دار اللہ کے حکم کی رو سے ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں۔ کچھ شک نہیں کہ اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔

۴۔ ذوی الارحام (Distant Kindred)

ذوی الارحام میت کے وہ تمام ددھیالی اور ننھیالی رشتہ دار ہیں جو ذوی الفروض یا عصبہ نہ ہوں اور میت سے ان کا رشتہ صرف کسی عورت کے واسطے سے ہو یا وہ خود عورتیں ہوں، جیسے نواسا، نواسی، نانا، بھتیجی، ماموں، خالہ اور پھوپھی وغیرہ۔

ذوی الارحام اس وقت وارث ہوتے ہیں جب میت کے کوئی ذوی الفروض اور عصبہ ورثا موجود نہ ہوں یا صرف میاں بیوی میں سے کوئی موجود ہو۔ پہلی صورت میں پورا ترکہ اور دوسری صورت میں شوہر یا بیوی کے حصے سے جو کچھ بچ رہے، ذوی الارحام کو ملے گا۔

۵۔ میاں / بیوی پر رد (دوبارہ حصہ دینا) (Return to Spouse)

جب مذکورہ بالا مستحقین (ذوی الفروض، عصبات اور ذوی الارحام) میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو تو میاں بیوی میں سے جو موجود ہو اس کا حصہ اسے دینے کے بعد بقیہ ترکہ بھی اسی کو دے دیا جائے گا۔ یہی متاخرین حنفی فقہا ابن نجیم، ابن عابدین شامی وغیرہ کی رائے ہے۔^۱ پاکستان میں عدالتیں اسی نقطہ نظر کے تحت فیصلہ کرتی ہیں، جس کے تحت میاں بیوی میں جو موجود ہو وہ بقیہ ترکہ کا حق دار ہوتا ہے۔^۲

۶۔ عصبہ سببیہ (آزاد کرنے والا) (Successor by Contract)

اسلامی قانون میں غلام کو آزاد کرنے والا اس کا عصبہ سببیہ بن جاتا ہے۔ لہذا میت اگر کسی کا غلام تھا پھر آزاد ہو گیا اور مر گیا، اگر اس کے مذکورہ بالا ورثا میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو تو اس صورت میں 'معتیق' (اس کا آزاد کنندہ) اس کا وارث بنے گا (آج کل اس کا وجود نہیں)۔

۱۔ ابن نجیم، الأشباہ والنظائر، قاہرہ، ۱۹۶۸، ص ۲۹۷؛ ابن عابدین، رد المحتار، مصر، ۱۲۵۳ھ، ۵: ۵۵۶

۲۔ Hamid Khan, The Islamic Law of Inheritance, P. 215

۷۔ مقررہ بالنسب علی الغیر (The Acknowledged Kinsman)

مقررہ بالنسب علی الغیر وہ شخص ہے جس کے حق میں نسب کا اس طرح اقرار کیا گیا ہو کہ پہلے مقررہ کے نسب کا غیر سے اقرار ہوتا ہو اور پھر مقرر (اقرار کرنے والے) کی جانب منسوب ہو جاتا ہو۔ یعنی مقررہ کا نسب اقرار کرنے والے کے کسی قرابت دار سے منسوب ہو اور پھر اس اقرار کرنے والے سے۔ اقرار کرنے والا مرتے دم تک اپنے اس اقرار پر قائم رہا ہو اور اس غیر نے اس اقرار کو تسلیم نہ کیا ہو، مثلاً کسی کو اپنا بھائی یا بہن کہا ہو۔ لیکن اس اقرار سے مقررہ کا نسب مورث کے دوسرے قرابت داروں سے قائم نہیں ہوتا، مقررہ محض اقرار کرنے والے کے اپنے ترکے کا حق دار ہوگا۔

جس کے حق میں نسب کا اقرار کیا جائے اس کی دو قسمیں ہیں:

- ۱۔ یہ کہ اقرار کرنے والا بلا واسطہ اس کی نسبت اپنی ذات کی طرف کرے۔ جیسے کسی کے متعلق یہ اقرار کرے کہ یہ میرا بیٹا یا بیٹی ہے۔ اس صورت میں پہلے اس شخص (مقررہ) کا نسب اقرار کرنے والے سے بلا واسطہ ثابت ہوگا اور پھر اس کے بعد غیر سے ثابت ہوگا۔ چنانچہ اقرار کرنے والا پہلے باپ قرار پائے گا اور پھر اس کا باپ دادا ہوگا۔ اس صورت میں مقررہ (جس کے لیے اقرار کیا گیا ہو) اقرار کرنے والے کا وارث ہوتا ہے۔
- ۲۔ یہ کہ اقرار کرنے والا اسی طرح نسب کا اقرار کرے کہ پہلے مقررہ کا نسب غیر سے ثابت ہوتا ہو اور اس کے بعد اس غیر کے واسطے سے مقرر سے ثابت ہو۔ جیسے کسی کے حق میں یہ اقرار کرے کہ یہ میرا بھائی، بہن یا چچا وغیرہ ہے۔ اس صورت میں پہلے نسب باپ یا دادا سے منسوب ہوگا اور ان کے واسطے سے مقرر کے اقرار سے ثابت ہو کر اس کا بھائی، بہن یا چچا وغیرہ قرار پائے گا۔ یہاں اسی دوسری قسم کا مقررہ مراد ہے جس کے احکام مختلف ہیں۔

مقررہ کے لیے جو شرائط رکھی گئی ہیں (جن کی تفصیل کتب فقہ میں دیکھی جائے) اگر وہ پائی جاتی ہوں تو احناف کے نزدیک مذکورہ بالا وراثت کی عدم موجودگی میں وہ وارث ہوتا ہے لیکن مالکی، شافعی اور حنبلی مذاہب میں مقررہ بالنسب علی الغیر کسی صورت وارث نہیں ہو سکتا۔

۸۔ ایک تہائی سے زائد وصیت کا نفاذ (The Universal Legatee)

اگر میت نے کل ترکہ کے ایک تہائی سے زائد کی وصیت کی ہو تو ایسی وصیت کو وراثت کے مفاد کے پیش نظر رد کیا گیا تھا۔ اگر کوئی وارث موجود ہی نہ ہو تو متوفی کی وصیت پورے طور پر رد بعمل لائی جائے گی، چاہے ترکہ کے ایک تہائی سے زیادہ ہی کیوں نہ ہو۔

۹۔ بیت المال (The State)

جب مذکورہ بالا مستحقین میں سے کوئی نہ ہو تو پھر اس میت کے وارث تمام مسلمان ہوں گے اور میت کا ترکہ بیت المال (اسلامی حکومت کے خزانہ) میں دیا جائے گا جس سے نادار مریضوں کا علاج، لقیط (گم شدہ بچہ) کا نان و نفقہ، جنایت کی دیت اور لاوارث و نادار اموات کی تجہیز و تکفین وغیرہ عمل میں لائی جائے گی۔

وراثت پانے کے اسباب،

شرائط اور موانع

وراثت پانے کے لیے ضروری ہے کہ اس کے اسباب اور شرائط پائے جائیں۔ نیز کوئی مانع بھی موجود نہ ہو۔

وراثت کے اسباب

بنیادی طور پر آج کل کے لحاظ سے وراثت سے حصہ پانے کے دو اسباب ہیں: رشتہ نسب اور رشتہ سبب (زوجیت)۔

۱۔ رشتہ نسب: یہ کسی انسان کا وہ نسبی تعلق اور حقیقی قرابت ہے جو اسے اس کے اصول (باپ دادا) اور فروع (بیٹے پوتے) اور ان کے متعلقین کے ساتھ جوڑتا ہے۔ اس میں درج ذیل افراد شامل ہیں:

۱۔ اولاد اور ان کی مذکر و مؤنث اولاد خواہ وہ کتنے ہی زیریں درجے کے ہوں۔

۲۔ باپ دادا اور ان کے اصول و آبا (والدین) اور ماں، دادی اور نانی خواہ وہ کتنے ہی بالائی درجے کے ہوں۔

۳۔ بھائی بہنیں اور حقیقی اور باپ شریک بھائی کی صرف زینہ اولاد۔

۴۔ چچا اور ان کی صرف اولاد زینہ۔

۲۔ رشتہ سبب (زوجیت): اس میں وہ مرد و عورت شامل ہیں جن کے مابین نکاح صحیح کا تعلق ہو اور یہ مؤثر کی وفات کے وقت تک قائم ہو۔ چاہے اس کے نتیجے میں زن و شوئی کے تعلقات قائم ہوئے ہوں یا نہ ہوئے ہوں۔ چنانچہ اگر عقد صحیح کے بعد اور رخصتی سے پہلے میاں بیوی میں کوئی فوت ہو جائے تو دوسرا اس کا وارث ہوگا۔ نیز اگر کسی عورت کے شوہر نے طلاق رجعی دے دی اور وہ عدت کے دوران فوت ہو گیا تو ایسی مطلقہ شوہر کی

میراث سے حصہ پائے گی۔ نکاح فاسد یا باطل میں میاں بیوی کے درمیان وراثت جاری نہیں ہوتی۔

وراثت کے شرائط

کوئی شخص وراثت میں حصہ پانے کا اس وقت ہی مستحق ہو سکتا ہے، جب اس کے اندر درج ذیل شرائط پائے جائیں:

۱۔ موثر کا فوت ہونا

تقسیم ترکہ کے لیے موثر کا وفات پانا اور اس کی وفات کا حقیقی طور پر یا لاپتا ہونے کی صورت میں عدالتی فیصلے کی روشنی میں ثابت ہونا ضروری ہے۔ اس لیے کہ کسی شخص کی زندگی میں اس کا مال و ملکیت ترکہ نہیں بن سکتی۔

۲۔ وارث کا زندہ ہونا

کسی موثر کا وارث وہی شخص ہو سکتا ہے جو اس کی وفات کے وقت حقیقتاً یا حکماً زندہ ہو۔ چنانچہ مثال کے طور پر اگر کسی شخص کی وفات کے وقت اس کی بیوی یا بہو حاملہ تھی اور مقررہ مدت کے اندر اس نے زندہ بچے کو جنم دیا تو وہ اپنے باپ یا دادا کی وفات کے وقت سے حکماً زندہ تصور کیا جائے گا، اور اس کے ترکے میں سے حصہ پانے کا حق دار ہوگا۔

۳۔ وارث کی نوعیت قرابت کا علم ہونا

یعنی میت کے ساتھ اس شخص کے تعلق کی نوعیت بھی یقینی طور پر معلوم ہونی چاہیے کہ اس کے ساتھ اس کا کیا تعلق ہے۔ نکاح کا تعلق ہے یا نسبی تعلق۔ نیز نسبی تعلق میں وہ اس کے ساتھ اصول (آبا) کا تعلق رکھتا ہے یا فروع کا وغیرہ وغیرہ۔ اس لیے کہ ہر تعلق کی الگ حیثیت اور حصہ ہے۔

وراثت کے موانع (Impediments)

درج بالا شرائط کے ساتھ یہ بات بھی ضروری ہے کہ متعلقہ وارث میں وراثت پانے میں کوئی مانع (رکاوٹ) موجود نہ ہو (مثلاً قاتل یا کافر ہونا وغیرہ)۔ یہاں ان موانع کی تفصیل دی جاتی ہے۔

تعریف: وہ حالات یا اسباب جن کی وجہ سے ورثا میں سے کوئی شخص (چاہے میت کے ساتھ نسب و قرابت داری یا نکاح کا رشتہ رکھتا ہے) از روے شریعت اپنے مورث کے ترکہ میں سے حصہ پانے کا اہل نہیں رہتا اور کلی طور پر محروم ہو جاتا ہے "موانع ارث" کہلاتے ہیں۔ یہ پانچ موانع ہیں:

۱۔ غلامی (آج کے دور میں یہ موجود نہیں)

۲۔ وارث کا اپنے مورث کو قتل کرنا

۳۔ وارث اور مورث کا مذہب الگ الگ ہونا

۴۔ وارث اور مورث کا اشتباہ (پہلے فوت ہونے والے کا علم نہ ہونا)

۵۔ اختلاف دار

پہلا مانع: غلامی (Slavery)

غلام چاہے خالص غلام ہو یا مکاتب اور مدبر؛ وہ خود اور اس کا تمام کسب اور کمائی مال کی حیثیت میں ہے اور سب چیزیں اس کے مولیٰ (آقا) کی ملکیت میں ہیں۔ لہذا وہ کسی کا وارث یا مورث بننے کی اہلیت نہیں رکھتا، بلکہ عام مال ملکیت کی طرح مملوک اور ترکہ بنتا ہے۔

دوسرا مانع: مورث کا قتل (Homicide)

اگر کوئی شخص اپنے مورث کو ناحق قتل کر دے تو قاتل مقتول کے ترکہ اور وصیت دونوں سے محروم ہو جاتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: لیس لقاتل میراث^۱ (قاتل مقتول کے ترکہ میں سے کچھ نہیں لے سکتا)۔ اس لیے کہ قاتل مقتول کو قتل کر کے میراث قبل از وقت حاصل کرنا چاہتا تھا جبکہ فقہی قاعدہ ہے: من استعجل شیئاً قبل أوانہ عوقب بحرمانہ^۲ (جو شخص کسی چیز کو قبل از وقت حاصل کرنا چاہے، اسے اس سے محرومی کی صورت میں سزا دی جائے گی)۔

کسی شخص نے قتل اگر اپنے ہاتھوں سے انجام دیا ہو اور وہ قتل شرعاً ناجائز بھی ہو، یعنی قتل عمد ہو تو اس کے مانع ارث ہونے پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے۔ البتہ قتل کی دیگر اقسام کے بارے میں ان کے مابین اختلاف رائے پایا جاتا ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ حنفی فقہ میں قاعدہ یہ ہے کہ جس قتل سے قصاص یا کفارہ لازم آتا ہے، وہ مانع ارث ہو گا، ورنہ نہیں، اس قاعدہ کی رو سے قتل عمد، شبہ عمد، قتل خطا اور جاری مجری الخطا مانع ارث بنیں گے۔^۳ حنفی نقطہ نظر کے مطابق قتل کے مانع ارث بننے کے لیے دو شرائط کا پایا جانا ضروری ہے: ایک قاتل نے قتل اپنے ہاتھوں سے انجام دیا ہو، جیسے قتل عمد، شبہ عمد، خطا

۱۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الديات، باب القاتل لا يرث، حدیث ۲۶۴۶

۲۔ سیوطی، الأشباه والنظائر، قاعدہ ۳۰: ابن نجیم، الأشباه والنظائر، قاعدہ ۱۵

۳۔ الفقہ الإسلامی وأدلته ۸: ۲۶۰؛ الموسوعة الفقهية ۳: ۲۳

قتل عمد: جس کا بالارادہ ہونا یقینی ہو، مثلاً تیز دھار آلے سے قتل کرے جو بدن کو چیرتا کاٹتا اور جدا کرتا ہو۔

قتل شبہ عمد: جس کا بالارادہ ہونا یقینی نہ ہو، مثلاً دھار دار آلے کے بغیر کسی لائٹی، ڈنڈے یا بھاری پتھر وغیرہ سے قتل کرے

(امام ابو حنیفہ اور دیگر فقہاء کی رائے اس بارے میں الگ الگ ہے)۔

قتل خطا: جس میں نیت اور ارادہ شامل ہو اور غلطی، لاپرواہی، غفلت یا خطا کی وجہ سے واقع ہو۔

وغیرہ۔ * دوسرے وہ قتل ناجائز طور پر ظماً ہوا ہو۔ لہذا قتل بالسبب، کسی اور کو قتل پر اکسانے یا سچی خواہ جھوٹی گواہی دینے کی صورت میں جو قتل واقع ہو، وہ مانع ارث نہیں ہوگا۔ اسی طرح قاتل اگر نابالغ یا مجنون (پاگل) ہو، یا قتل جائز طور پر (مثلاً اپنا دفاع کرتے ہوئے) ہوا ہو تو ایسا قتل بھی وراثت میں مانع نہیں ہوگا۔

۲۔ مالکی فقہ میں صرف قتل عمد ہی مانع ارث ہے باقی اقسام نہیں۔ مالکیہ کے نزدیک قتل کے مانع ارث ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اس میں دو شرطیں پائی جائیں: ایک عدوان یعنی وہ قتل شرعاً ناجائز ہو اور قاتل کے لیے کوئی قابل قبول عذر موجود نہ ہو، چاہے قتل خود اس نے اپنے ہاتھوں سے کیا ہو یا وہ اس کا سبب بنا ہو یا کسی اور شخص کو اس نے قتل کے لیے اکسایا ہو یا جھوٹی گواہی دے کر اپنے مورث کو عدالتی فیصلے کے ذریعے قتل کرایا ہو۔ دوسرے قاتل مکلف (یعنی عاقل و بالغ) ہو۔

۳۔ شافعی فقہ میں قتل کی تمام قسمیں بلا تخصیص مانع ارث ہیں، چاہے وہ قتل عمد ہو یا خطا اور بالواسطہ ہو یا بلاواسطہ، اگرچہ قاتل غیر مکلف ہی کیوں نہ ہو (جیسے نابالغ بچہ اور پاگل شخص وغیرہ)۔ اسی طرح اگر کسی قاضی یا جج نے اپنے مورث کے قتل کا شرعی طور پر درست فیصلہ صادر کیا، یا کسی نے اپنے مورث پر شرعی طور پر ضروری گواہی دی یا گواہوں کا تزکیہ کیا جس کی بنا پر اس پر قصاص یا حد جاری کی گئی تو ایسی ہر صورت میں یہ تمام لوگ مقتول کے وارث نہیں بن سکیں گے۔

۴۔ حنبلی فقہ میں جس قتل پر شریعت نے مالی یا بدنی (قصاص، دیت یا کفارہ) سزا رکھی ہو وہ میراث سے محروم کر دیتا ہے جیسے "ناجائز طور پر کیا گیا قتل عمد" کہ اس پر قصاص واجب ہوتا ہے، یا قتل خطا اور قتل بالسبب، کہ ان پر دیت اور کفارہ واجب ہوتا ہے۔ گویا قتل کے مانع

* تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: عودہ، عبدالقادر، التشریح الجنائی الاسلامی، دار الحدیث، القاہرہ ۲۰۰۹ء، ۲: ۱۳۳-۱۳۵

ارث ہونے یا نہ ہونے کا دار و مدار امام احمد کے ہاں شارع کی طرف سے سزا مقرر ہونے پر ہے۔ اس لیے وہ قتل جس پر کسی قسم کا ضمان (تاوان) عائد نہ ہو میراث سے محرومی کا سبب نہ ہوگا، جیسے قصاص کے طور پر کیا گیا قتل یا کسی جرم کی حد میں قتل وغیرہ۔^۱

پاکستان میں قانون مجموعہ تعزیرات کی دفعات ۳۱۵ اور ۳۱۷ کے تحت صرف قتل عمد اور شبہ عمد کو مانع ارث اور وصیت قرار دیا گیا ہے۔

تیسرا مانع: اختلاف دین (Difference of Religion)

یہ مانع مسلمانوں کی میراث کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس لیے مسلمان کسی غیر مسلم کا اور غیر مسلم کسی مسلمان کا وارث نہیں بن سکتا۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: لا یرث المسلم الکافر ولا الکافر المسلم^۲ (مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں بن سکتا)۔

لیکن ایک عیسائی، یہودی کا، سکھ ہندو کا (وغیرہ وغیرہ) وارث ہو سکتا ہے۔ اس لیے کہ اس قاعدے کا اطلاق صرف مسلمانوں پر ہوگا۔

صحابہ و تابعین اور فقہاء کی بہت بڑی اکثریت کا موقف یہی ہے کہ مسلمان کافر کا وارث بنے گا اور نہ کافر مسلمان کا۔ لیکن بعض فقہاء کے نزدیک مسلمان کافر کا وارث ہوگا مگر کافر مسلمان کا نہیں۔ ان کا استدلال ایک روایت سے: الإسلام یعلو ولا یُعلیٰ^۳ (اسلام غالب رہتا ہے، کسی دوسرے مذہب کا اس پر غلبہ نہیں ہو سکتا)۔

۱۔ پہلی صورت میں قصاص اور دوسری اور تیسری صورت میں دیت اور کفارہ واجب ہوتا ہے۔

۲۔ صحیح بخاری، کتاب الفرائض، باب ۲۶، حدیث ۶۷۶۳؛ صحیح مسلم، کتاب الفرائض، باب ۱، حدیث ۴۱۴

۳۔ سنن دارقطنی، کتاب النکاح، حدیث ۳۹۵؛ صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب إذا أسلم الصبی... (تعلیقا) ۲: ۹۳

(محدث البانی نے اسے حسن قرار دیا ہے؛ صحیح الجامع الصغیر، حدیث ۲۷۷۸)

یہ حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت معاویہؓ اور بعض تابعینؓ کی رائے ہے۔ لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ یہ روایت میراث کے بارے میں نہیں بلکہ اسلام کے عمومی غلبہ اور فتح و نصرت کے بارے میں ہے، اس لیے اس سے استدلال محل نظر ہے۔ معاصر فقیہ ڈاکٹر یوسف القرضاوی اور یورپ فتویٰ کونسل نے بھی اسی آخری رائے کو اختیار کیا ہے۔

مرتد کی میراث

جو شخص اسلام کو چھوڑ کر مرتد ہو جائے وہ بھی کسی مسلمان کا وارث نہیں بن سکتا۔ جمہور فقہاء کا قول یہ ہے کہ کوئی مسلمان رشتہ دار بھی اس کا وارث نہیں بن سکتا، بلکہ اس کا سارا ترکہ بیت المال کو دے دیا جائے گا۔ حنفی فقہاء یہ تفصیل پیش کرتے ہیں کہ جو مال اس نے مرتد ہونے سے پہلے حاصل کیا تھا وہ اس کے مسلم ورثا کو دے دیا جائے، اور جو مرتد ہونے کے بعد حاصل کیا ہے وہ بیت المال کو دیا جائے۔ اور اگر مرتد عورت ہو تو اس کا تمام مال و ملکیت اس کے مسلم ورثا ہی کو دی جائے۔

چوتھا مانع: اشتباہ وارث اور موثر

یعنی یہ معلوم نہ ہو سکے کہ کون وارث اور کون موثر ہے۔ مثال کے طور پر باپ بیٹا ایک حادثے میں اکٹھے فوت ہو گئے اور یہ پتہ نہ چل سکا کہ کون پہلے فوت ہوا اور کون بعد میں۔ ایسی صورت میں ان دونوں کے درمیان وراثت جاری نہیں ہوگی۔ فقہانے اس ضمن میں ایک قاعدہ وضع کیا ہے: لا توارث بین الغرقى والحرقى والهدمى* (بیک وقت ڈوب کر یا آگ میں جل کر یا کسی مکان کے نیچے دب کر ہلاک ہونے والے ایک دوسرے کے وارث نہ بن سکیں گے)۔

* تنویر الأبصار مع الدر المختار ورد المحتار (حاشیہ ابن عابدین)، دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۹۹۸ء، ۱۰: ۳۵۶

پانچواں مانع: اختلاف دار

(Difference of Domicile or Allegiance)

فقہ حنفی کی قدیم کتب کی رو سے کفار کے مابین دار یعنی ملک کا اختلاف بھی مانع ارث ہے۔ یعنی ایک کافر دار الکفر میں ہو اور دوسرا دارالاسلام میں تو ان کے مابین وراثت جاری نہیں ہوگی۔ ایک شخص دارالاسلام کی حدود میں اس کا شہری ہو اور دوسرا دارالکفر کی حدود میں رہ کر وہاں کا شہری ہو تو غیر مسلم ہونے کی صورت میں ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے۔ جیسے حربی اور ذمی، یا ذمی اور مستامن جو مختلف ملکوں میں ہوں کہ ایک دائرہ اسلام میں اسلامی حکومت کا مطیع ہو جزیہ دے کر یہاں کا شہری ہو اور دوسرا غیر مسلم دارالکفر کا شہری ہو، تو ایک کو دوسرے کی میراث نہیں ملے گی۔

اختلاف دار (ملک) غیر مسلموں میں معتبر ہے، جیسے حربی، ذمی یا مستامن۔ مسلمانوں میں اختلاف دار (ملک) مانع ارث نہیں ہے، جیسا کہ ذکر ہوا یہ حنفی فقہاء کی رائے ہے۔ باقی ائمہ کے نزدیک اختلاف دار سرے سے مانع ارث نہیں ہے۔

موجودہ دور میں مختلف ممالک کی الگ الگ قومیت (nationality) مسلمانوں کے مابین وراثت جاری ہونے میں رکاوٹ (مانع) نہیں۔

وَرثا / مستحقین ترکہ

LEGAL HEIRS

تجہیز و تکفین، قرض کی ادائیگی اور اجراءے وصیت کے بعد ترکہ میں سے جو کچھ بچ جائے وہ میت کے مستحق وارثوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ مستحقین کے بارے میں فقہاء میں اگرچہ افراد اور ترتیب کے لحاظ سے جزوی اختلاف ہے، لیکن بحیثیت مجموعی وارثوں کی تین اقسام پر اتفاق پایا جاتا ہے (ان کی تفصیل ترتیب وار آگے آرہی ہے):

۱۔ ذوی الفروض ۲۔ عصباء نسبیہ ۳۔ ذوی الأرحام

وَرثا (اصحاب الفروض اور عصباء) کی تفصیلی تعداد ۲۵ ہے، جن میں سے ۱۵ مرد

اور ۱۰ عورتیں ہیں۔

مرد وَرثا

بیٹا، پوتاتا آخر، باپ، داداتا آخر، سگا بھائی، سوتیلا بھائی (باپ کی طرف سے)، سوتیلا بھائی (ماں کی طرف سے)، سگے بھائی کا بیٹا، سوتیلے (باپ کی طرف سے) بھائی کا بیٹا، سگا چچا، باپ کی طرف سے چچا، سگے چچا کا بیٹا، باپ کی طرف سے چچا کا بیٹا، شوہر، آزاد کنندہ مرد۔

وارث عورتیں

بیٹی، پوتی، (پڑپوتی)، ماں، نانی، (پر نانی)، دادی، (پردادی)، سگی بہن، باپ شریک بہن، ماں شریک بہن، بیوی، آزاد کنندہ عورت۔

ذوی الفروض

SHARERS

علم میراث کی اصطلاح میں ذوی الفروض یا اصحاب الفروض ان ورثا کو کہا جاتا ہے جن کے حصے کی مقدار قرآن مجید، سنت رسول یا اجماع امت سے مقرر کر دی گئی ہے۔ فروض یا فرائض فریضۃ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں مقرر اور متعین حصہ۔ ذوی جمع ہے ذو کی، جس کے معنی ہیں والا، مالک۔ یعنی مقررہ حصہ والا وارث۔ اس طرح لغت کے اعتبار سے ذوی الفروض اگرچہ ہر حصہ دار کو کہا جاسکتا ہے لیکن علم میراث کی اصطلاح میں "ذی فرض" سے ایک متعین حصہ دار مراد لیا جاتا ہے جس کا حصہ قرآن و سنت یا اجماع امت سے ثابت ہو۔ ذوی الفروض کو وراثت کے اسباب کے لحاظ سے دو قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے (جیسا کہ تفصیل گزر چکی ہے):

- ۱۔ ذوی الفروض سببیہ: ان کے تحت وہ ذوی الفروض شامل ہیں جو نکاح صحیح کی بنیاد پر وراثت کے مستحق ہوتے ہیں۔ اس میں صرف میاں اور بیوی شامل ہیں۔
- ۲۔ ذوی الفروض نسبیہ: میاں اور بیوی کے علاوہ باقی تمام ذوی الفروض اس تقسیم کے تحت آتے ہیں۔

ذوی الفروض دوسرے تمام ورثا پر مقدم ہیں، کیونکہ اول تو خود اللہ تعالیٰ نے ان کے حصے متعین فرمادئے ہیں اور دوسرے رسول اللہ ﷺ نے تصریح فرمادی ہے کہ ذوی الفروض کو سب سے پہلے ان کے حصے دو، پھر جو بیچ جائے وہ زیادہ قریبی مرد کے لیے ہے: *ألحقوا الفرائض بأهلها، فما بقى فهو لأولى رجل ذكر* (جن ورثا کے حصے مقرر ہیں انہیں ان کے حصے دو، جو بیچ جائے وہ زیادہ قریبی مرد رشتہ دار کا ہے)۔ لہذا جب تک ان لوگوں کو ترکے میں سے حصے نہ مل جائیں، دوسری قسم کے ورثا کو کچھ نہیں ملے گا۔

ذوی الفروض کو ملنے والے حصے چھ ہیں:

- ۱۔ نصف $1/2$ (آدھا)
- ۲۔ رُبع $1/4$ (ایک چوتھائی)
- ۳۔ ثمن $8/1$ (آٹھواں حصہ)
- ۴۔ ثلثان $2/3$ (دو تہائی)
- ۵۔ ثلث $1/3$ (ایک تہائی)
- ۶۔ سدس $1/6$ (چھٹا حصہ)

ان حصوں کے مستحقین کی تعداد ۱۲ ہے جن میں چار مرد اور آٹھ عورتیں ہیں جو یہ ہیں:

- ۱۔ باپ ۲۔ دادا ۳۔ شوہر ۴۔ اخیانی (ماں شریک) ۵۔ بھائی ۶۔ بیٹی ۷۔ پوتی ۸۔ بیوی
- ۹۔ حقیقی بہن ۱۰۔ علاتی (باپ شریک) بہن ۱۱۔ اخیانی (ماں شریک) بہن ۱۲۔ جدہ صحیحہ (دادی اور نانی)۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک وارث صاحب فرض بھی ہوتا ہے اور عصبہ بھی۔ اس صورت میں وہ پہلی حیثیت کی وجہ سے مقررہ حصہ لے گا اور دوسری حیثیت کی وجہ سے اصحاب الفروض سے باقی ماندہ بھی لے گا۔ اس بنا پر فرضیت اور عصبیت کے لحاظ سے کسی وارث کی چار حیثیتیں ہو سکتی ہیں:

- ۱۔ صرف صاحب فرض (مقررہ حصہ کا مستحق) ہو
- ۲۔ عصبہ (باقی ماندہ کا مستحق) ہو
- ۳۔ دونوں حیثیتوں کا حامل ہو (مقررہ حصہ بھی لے اور باقی ماندہ بھی)
- ۴۔ محجوب ہو (اسے کچھ بھی نہ ملے)۔

اس طرح کیت (مقدار) کے لحاظ سے بھی حصوں میں کمی بیشی ہوتی ہے۔ ان تمام تبدیلیوں کو ذوی الفروض کے حالات کہا جاتا ہے۔ ذیل میں دو نقشے دیے جاتے ہیں؛ پہلے نقشے میں یہ دکھایا گیا ہے کہ ہر حصے کے کتنے مستحقین ہو سکتے ہیں۔ دوسرے نقشے میں تفصیلی طور پر حالات اور شرائط استحقاق بیان کیے گئے ہیں۔

نقشہ اول: حصص اور مستحقین

تفصیل	تعداد مستحقین	حصص
بیوی	۱	آٹھواں حصہ (ثمن) ۱/۸
شوہر، بیوی	۲	چوتھائی حصہ (ربع) ۱/۴
شوہر، ایک بیٹی، ایک پوتی، ایک سگی بہن، ایک علاقائی (باپ شریک) بہن۔	۵	نصف ۱/۲
ماں، باپ، دادا، جدہ صحیحہ (دادی + نانی)، پوتی، باپ شریک بہن، ایک ماں شریک بھائی یا بہن۔	۷	چھٹا حصہ (سدس) ۱/۶
ماں، ۲ یا زیادہ ماں شریک بہن بھائی	۲	تہائی حصہ (ثلث) ۱/۳
۲ یا زیادہ بیٹیاں، پوتیاں، سگی بہنیں، باپ شریک بہنیں	۴	دو تہائی حصہ (ثلثان) ۲/۳

نقشہ دوم: حالات ذوی الفروض و شرائط استحقاق

شرائط	حصہ	حیثیت	نمبر حالات	ذوی الفروض جملہ حالات
جب میت کی کوئی اولاد موجود نہ ہو (خواہ اس شوہر سے یا دوسرے شوہر سے)	نصف ۱/۲	ذوی الفروض	۱	زوج (شوہر) ۲ حالتیں
جب میت کی کوئی اولاد موجود ہو (خواہ اس شوہر سے یا دوسرے شوہر سے)	ربع ۱/۴	ذوی الفروض	۲	

زوجة (بیوی) ۲ حالتیں	۱	ذوی الفروض	ربع ۱/۴	جب میت کی کوئی اولاد موجود نہ ہو (خواہ اس بیوی سے یا دوسری بیوی سے)۔ (ایک سے زیادہ ہونے کی صورت میں یہ حصہ ان میں برابر تقسیم کیا جائے گا)۔
	۲	ذوی الفروض	ثمان ۱/۸	جب میت کی کوئی اولاد موجود ہو (خواہ اس بیوی سے یا دوسری بیوی سے)
بنت (بیٹی) ۳ حالتیں	۱	ذوی الفروض	نصف	جب یہ ایک ہو اور میت کا بیٹا موجود نہ ہو
	۲	ذوی الفروض	ثلثان ۲/۳	جب یہ دو یا دو سے زیادہ ہوں اور میت کا بیٹا موجود نہ ہو۔
	۳	عصبہ بالغیر	بیٹے کا نصف	جب میت کا بیٹا موجود ہو (چاہے ایک ہو یا زیادہ)
بنت الابن (پوتی) ۶ حالتیں	۱	ذوی الفروض	نصف	جب یہ ایک ہو اور میت کا بیٹا، بیٹی اور پوتا موجود نہ ہو۔
	۲	ذوی الفروض	ثلثان ۲/۳	جب یہ ۲ یا دو سے زیادہ ہوں اور میت کا بیٹا، بیٹی اور پوتا موجود نہ ہوں
	۳	ذوی الفروض	سدس ۱/۶	جب میت کی ایک بیٹی موجود ہو اور بیٹا اور پوتا موجود نہ ہوں
	۴	عصبہ بالغیر فی الباقی	پوتے کا نصف	جب میت کا بیٹا موجود نہ ہو اور بیٹی یا بیٹوں کے ساتھ پوتا موجود ہو
	۵	عصبہ بالغیر فی الكل	پوتے کا نصف	جب میت کا بیٹا اور بیٹی موجود نہ ہوں اور پوتا موجود ہو
	۶	محبوب		جب میت کا بیٹا موجود ہو یا دو بیٹیاں موجود ہوں اور پوتا موجود نہ ہو
اخت لآب و أم (سگی بہن) ۵ حالتیں	۱	ذوی الفروض	نصف ۱/۲	جب یہ ایک ہو اور میت کا سگا بھائی، باپ، دادا اور اولاد میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو
	۲	فرضیت	ثلثان ۲/۳	جب یہ دو یا زیادہ ہوں اور میت کا سگا بھائی، باپ، دادا اور اولاد میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو

۳	عصبہ مع الغیر	بیٹی یا پوتی سے باقی	جب میت کی بیٹی یا پوتی موجود ہو اور سگا بھائی، باپ، دادا اور اولاد نرینہ میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو۔
۴	عصبہ بالغیر	بھائی کا نصف	جب میت کا سگا بھائی موجود ہو اور باپ، دادا اور اولاد نرینہ میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو۔
۵	محبوب	کچھ نہیں ملے گا	جب میت کا باپ دادا یا نرینہ اولاد میں سے کوئی موجود ہو (اس حالت میں سگا بھائی بھی محبوب ہوگا)
۱	ذوی الفروض	نصف ۱/۲	جب یہ ایک ہو اور میت کے سگے بہن بھائی، علاقائی بھائی، باپ دادا اور اولاد میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو
۲	ذوی الفروض	ثلثان ۱/۳	جب یہ دو یا زیادہ ہوں اور میت کے سگے بہن بھائی، علاقائی بھائی، باپ دادا اور اولاد میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو
۳	ذوی الفروض	سدس ۱/۶	جب میت کی صرف ایک سگی بہن موجود ہو اور سگیا علاقائی بھائی، باپ دادا یا اولاد میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو
۴	عصبہ مع الغیر	بیٹی یا پوتی سے باقی	جب میت کی بیٹی یا پوتی موجود ہو اور سگے بہن بھائی، علاقائی بھائی، باپ دادا اور نرینہ اولاد میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو۔
۵	عصبہ بالغیر	علاقائی بھائی کا نصف	جب میت کا علاقائی بھائی موجود ہو اور سگا بھائی، باپ دادا اور نرینہ اولاد میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو۔ (میت کی بیٹی یا پوتی زندہ ہونے کی صورت میں ہی یہ عصبیت بالغیر کے تحت حصہ پائے گی)
۶	محبوب		جب میت کی دو سگی بہنیں موجود ہوں اور علاقائی بھائی موجود نہ ہو یا عصبہ شدہ ایک بہن موجود ہو۔

اخت لآب
(باپ شریک
بہن)
۷ حالتیں

جب میت کا باپ، دادا، سگا بھائی یا نرینہ اولاد میں سے کوئی موجود ہو۔ (اس حالت میں علاقائی بھائی بھی محبوب ہو گا)		محبوب	۷	
میت کے مرد اصول (باپ، دادا) اور مرد یا عورت فروع (بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی) موجود نہ ہوں (یعنی وہ کلالہ ہو) اور بھائی یا بہن ایک ہو	۱/۶	ذوی الفروض	۱	أخ / أخت لأم (ماں شریک بھائی اور بہن)
اگر میت کلالہ ہو، اور ان کی تعداد ۲ یا ۲ سے زیادہ ہو	۱/۳	ذوی الفروض	۲	۲ حالتیں
جب میت کی اولاد یا کسی بھی جہت کے ۲ یا زیادہ بہن بھائی موجود ہوں	۱/۶ سدس	ذوی الفروض	۱	أم (ماں) ۳ حالتیں
جب میت کی اولاد، نیز ۲ یا زیادہ کسی بھی جہت کے بہن بھائی موجود نہ ہوں، (اگرچہ ایک بہن یا بھائی موجود ہو)	ثلث ۱/۳	ذوی الفروض	۲	
یہ حکم دو صورتوں میں منحصر ہے: ۱۔ جب وارث بیوی، ماں، باپ ہوں ۲۔ جب وارث شوہر اور ماں، باپ ہوں	ثلث بعد فرض الزوجین	ذوی الفروض	۳	
ایک یا زیادہ ہوں۔ بشرطیکہ ایک درجہ کی ہوں اور میت کی ماں موجود نہ ہو دادی کے لیے مزید شرط یہ ہے کہ میت کا باپ بھی موجود نہ ہو	۱/۶ سدس	ذوی الفروض	۱	جدة صحیحة (دادی نانی) ۲ حالتیں
میت کی ماں موجود ہو تو سب محبوب میت کا باپ موجود ہو تو دادی محبوب دادا موجود ہو تو اس سے اوپر والیاں محبوب قریبہ موجود ہو تو بعیدہ محبوب		محبوب	۲	
جب میت کا بیٹا، پوتا یا پڑپوتا (تا آخر سلسلہ نرینہ اولاد) موجود ہو	۱/۶ سدس	ذوی الفروض فقط	۱	أب (باپ) ۳ حالتیں
جب میت کی بیٹی، پوتی، یا پڑپوتی (تا آخر سلسلہ اولاد اناث) موجود ہو	سدس اور باقی	ذوی الفروض + عصبہ	۲	

جب میت کی کوئی اولاد موجود نہ ہو	کل یا باقی	عصبہ فقط	۳	جد صحیح (دادا) ۵ حالتیں
جب میت کا بیٹا، یا پوتا، پر پوتا (تا آخر سلسلہ اولاد ذکور) موجود ہو، اور باپ موجود نہ ہو	سدس ۱/۶	ذوی الفروض فقط	۱	
جب میت کی بیٹی، یا پوتی، پر پوتی (تا آخر سلسلہ اولاد اناث) موجود ہو اور باپ موجود نہ ہو	سدس ۱/۳	ذوی الفروض + عصبہ	۲	
جب میت کی اولاد اور باپ موجود نہ ہو	کل یا باقی	عصبہ فقط	۳	
جب میت کا باپ موجود ہو		محبوب	۴	
جب دادا سگے یا باپ شریک بہن بھائیوں کے ساتھ ہو (اس کی تفصیل آگے الگ باب میں دی گئی ہے)			۵	

عصبات

RESIDUARIES

ذوی الفروض کے بعد وراثا کی دوسری قسم موڑث (میت) کے عصبات ہیں۔ ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو کچھ بچے، وہ عصبات کو ملے گا۔ عصبات عصبۃ کی جمع الجمع ہے، واحد عاصب ہے جو عصب سے ماخوذ ہے۔ عصب اس طاقت کو کہتے ہیں جو دوسری چیز پر چھا جائے، اسے گھیر لے، باندھ لے اور پابند کر دے۔ اسی لفظ عصبۃ کو خاص رشتوں کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، یعنی انسان کے باپ دادا اور بیٹے اور ان کی زینہ اولاد، جو خاندان کے لیے پٹھوں کی مانند ہوتے ہیں، اس کا احاطہ کیے ہوتے ہیں اور اس کو کسی قانون کا پابند بناتے اور مصائب و مشکلات کے موقع پر اس کا دفاع اور مدد کرتے ہیں۔

عصبات کی اہمیت

جب حقیقت کے اعتبار سے خاندان کے مذکر افراد (باپ، دادا اور ان کی اولاد) ہی عصبہ ہیں تو ترکہ سے استحقاق میں ان کی اہمیت واضح تھی، اس لیے ان کے حصے مقرر کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ حصے تو ان وراثا کے مقرر کیے گئے ہیں جن کے استحقاق کے بارے میں کسی طرح کوئی شبہ ہو سکتا تھا۔ اسی حقیقت کے لحاظ سے مرد کو عصبہ بنفسہ (مستقل عصبہ) کہا جاتا ہے، اور عورت کو عصبہ بالغیر یا مع الغیر (غیر کے ذریعے یا غیر کے بل بوتے پر عصبہ بننے والی) کہا جاتا ہے۔

عصبہ کی اصطلاحی تعریف اور قسمیں

علم فرائض کی رو سے عصبہ وہ شخص ہے جو تنہا وارث ہو تو کل ترکہ اور اگر اصحاب الفروض کے ساتھ وارث بنے تو ان سے جو بچ رہے اس کا مستحق ہو۔ ذوی الفروض کی طرح عصبہ کی بھی ابتدائی دو قسمیں ہیں: عصبہ سببیہ اور عصبہ نسبیہ۔

عصبہ سببیہ: معتق (غلام کو آزاد کرنے والا) ہے، جس کا ذکر ترتیب مستحقین میں

ہو چکا۔

عصبہ نسبیہ کی تین قسمیں ہیں: ۱۔ عصبہ بالنفس ۲۔ عصبہ بالغیر

۳۔ عصبہ مع الغیر

عصبہ بالنفس (Residuary in His Own Right)

وہ ددھیالی مرد رشتہ دار جس کا میت سے رشتہ بیان کرنے میں کسی عورت کا واسطہ درمیان میں نہ آئے۔ اس کی ترتیب وار چار اصناف (قسمیں) ہیں:

۱۔ میت کا بیٹا، پوتا، پڑپوتا تا آخر

۲۔ میت کا باپ، دادا، پردادا تا آخر

۳۔ باپ کی زینہ اولاد، سگیا سوتیلا (باپ شریک) بھائی، بھتیجا، تا آخر

۴۔ دادا کی زینہ اولاد، سگیا باپ شریک چچا، چچازاد، تا آخر

ان تمام اصناف میں میت کے دور اور نزدیک کے رشتہ دار موجود ہوتے ہیں، اور

آخری دو صنفوں میں قوی القرابت (سگے) اور ضعیف القرابت (سوتیلے) کا فرق بھی واقع

ہوتا ہے، لہذا عصبہ بنفسہ کے ترکے میں استحقاق کے لیے تین اصول مد نظر رکھے جاتے ہیں:

اصول ۱

اگر ایک ہی درجے کے کئی عصبات ہوں تو الاقرب فالاقرب کے اصول پر عمل ہوگا، یعنی جو سب سے قریبی رشتہ دار ہوگا اسے سارا ترکہ مل جائے گا، باقی سب محروم ہوں گے، مثلاً کسی کا بیٹا اور پوتا دونوں موجود ہوں تو اگرچہ دونوں صنف اول (جز میت) کے عصبہ ہیں لیکن بیٹے کا رشتہ زیادہ قریب کا ہے، کیونکہ پوتے کا رشتہ بیٹے کے واسطے سے قائم ہوتا ہے، اس لیے وہ دور کا عصبہ ہوا۔ لہذا سارا ترکہ بیٹے کو ملے گا اور پوتا محجوب ہوگا۔ خواہ وہ اسی بیٹے کا بیٹا ہو یا کسی دوسرے بیٹے کا۔*

اصول ۲

اگر ایک ہی درجے کے کئی عصبات ہوں اور قرابت کے لحاظ سے بھی مساوی حیثیت کے حامل ہوں، مثلاً سب بیٹے ہوں یا سب پوتے ہوں یا سب پڑپوتے ہوں تو ہر ایک کو برابر برابر حصہ دیا جائے گا۔

اصول ۳

اگر تمام عصبات ایک ہی درجے کے ہوں، رشتے میں ایک ہی نمبر پر ہوں لیکن رشتے کی نوعیت میں فرق ہو تو جو زیادہ قوی قرابت رکھتا ہو، ترکہ اس کو ملتا ہے، دوسرے محجوب ہوتے ہیں۔ مثلاً: سگے بھائی اور سوتیلے بھائی ہوں تو ترکہ سگے بھائی کو ملے گا، اور سوتیلا بھائی محجوب ہوگا، اسے کچھ نہ ملے گا۔ یا اگر سگے چچا اور سوتیلے چچا ہوں تو سگے چچا کو ترکہ ملے گا سوتیلے کو نہیں ملے گا۔

مزید وضاحت درج ذیل نقشے میں دیکھیں:

* یتیم پوتے کی وراثت کے بارے میں مسلم فیہی لا آرڈیننس ۱۹۶۱ء کی دفعہ ۳ پر تبصرہ اس باب کے آخر میں ملاحظہ ہو

درجہ اول۔ میت کے فروع: میت کی زینہ اولاد، یعنی بیٹا، وہ زندہ نہ ہو تو پوتا، وہ نہ ہو تو پڑپوتا، آخر تک، اسی ترتیب سے وارث ہوں گے۔

درجہ دوم۔ اصل میت: میت کا باپ، وہ زندہ نہ ہو تو دادا، وہ نہ ہو تو پڑپادا، آخر تک، اسی ترتیب سے وارث ہوں گے۔

درجہ سوم۔ جزء اصل قریب: میت کے باپ کی زینہ اولاد، سگا بھائی، پھر سوتیلے (باپ شریک) بھائی، یہ نہ ہو تو سگے بھائی کا بیٹا، پھر سوتیلے بھائی کا بیٹا، یہ نہ ہو تو پھر سگے بھائی کا پوتا، پھر سوتیلے بھائی کا پوتا، آخر تک، اسی ترتیب سے وارث ہوں گے۔

درجہ چہارم۔ جزء اصل بعید: میت کے دادا کی زینہ اولاد، سگے چچا، پھر سوتیلے چچا، یہ نہ ہوں تو سگے چچا کا بیٹا، پھر سوتیلے چچا کا بیٹا، یہ نہ ہوں تو سگے چچا کا پوتا، پھر سوتیلے چچا کا پوتا، یہ نہ ہوں تو سگے چچا کا پڑپوتا آخر تک اسی ترتیب سے وارث ہوں گے۔

عصبہ بالغیر (Residuary in Another's Right)

یہ وہ چار عورتیں ہیں جو اپنے بھائی کی موجودگی میں ان کے ساتھ بحیثیت عصبہ ترکہ پاتی ہیں، بیٹی، پوتی، سگی بہن اور سوتیلی (باپ کی طرف سے) بہن۔ جب ان کے بھائی بھی موجود ہوں تو ان کے اپنے مقررہ حصے (۱/۲ یا ۲/۳) کے بجائے للذکر مثل حظ الانثیین (یعنی مرد کو عورت کا دو گنا حصہ ملے گا) کے اصول کے مطابق اپنے ہم درجہ بھائیوں کا آدھا ملے گا، لیکن پوتی پوتے کے ساتھ بھی عصبہ بالغیر بنتی ہے اور بعض اوقات پڑپوتے کے ساتھ بھی۔ باقی تین عورتیں صرف اپنے اپنے بھائیوں کے ساتھ ہی عصبہ بنتی ہیں۔ ان چار کے علاوہ کوئی اور عصبہ بالغیر نہیں بنتا۔ لہذا بھتیجیاں، بھانجیاں اور پھوپھیاں اپنے اپنے بھائیوں کے ساتھ عصبہ بالغیر نہیں بنیں گی۔ اس لیے کہ عصبہ بالغیر صرف وہ عورتیں بنتی ہیں جو ذوی الفروض ہوں جبکہ مؤخر الذکر عورتیں ذوی الفروض نہیں بلکہ ذوی الارحام ہیں۔

اولادِ میت کے احکام

اولادِ میت میں عصبہ بالغیر کا سلسلہ کسی حد پر ختم نہیں ہوتا، اس لیے ان کی قدرے تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ سلسلہ اولاد میں آخر تک ہر مذکر عصبہ بنفسہ ہے اور ہر مؤنث اگر تنہا ہو تو اصحاب الفروض میں سے، اور اپنے بھائی کے ساتھ ہو تو عصبہ بالغیر ہے۔

۲۔ ہر اولاد جو میت سے صرف کسی عورت کے واسطے سے تعلق رکھتی ہو (خود مذکر ہو یا مؤنث)، ذوی الارحام شمار ہوگی۔

۳۔ عصبہ بنفسہ جس درجے میں بھی ہو اپنے سے نیچے درجے کے ہر مذکر و مؤنث کو محبوب کر دے گا، اور اپنی ہم درجہ، بیٹیوں، پوتیوں، نیز اوپر کی ان پوتیوں کو عصبہ بالغیر بنائے گا جن کو ذوی الفروض ہونے کی حیثیت سے کچھ نہ ملا ہو۔ (مثال کے طور پر اگر کسی مسئلے میں دو یا زائد بیٹیاں اور ایک یا زیادہ پوتیاں ہوں تو اس صورت میں $2/3$ بیٹیوں کا حصہ ہے اور پوتیوں کو وراثت میں سے کچھ نہیں ملے گا، البتہ اگر پوتیوں کے ساتھ پوتا یا پڑپوتا موجود ہو تو وہ اس کے ساتھ عصبہ بالغیر بن جائیں گی، اور بیٹیوں کو ان کا حصہ دینے کے بعد بیچ رہنے والا ترکہ ان میں للذکر مثل حظ الأنثیین کے اصول کے مطابق تقسیم ہوگا)۔

۴۔ بیٹی یا پوتی ہو تو نصف $1/2$ اور اس سے نیچے درجے والی سدس $1/6$ کی مستحق ہوگی، پھر اس سے نیچے تمام درجے محبوب ہوں گے۔ البتہ اگر نیچے کسی بھی درجے میں پوتا موجود ہو تو وہ اپنے برابر والی اور اوپر کی حصہ نہ پانے والی پوتیوں کو اپنے ساتھ باقی ترکے میں للذکر مثل حظ الأنثیین کے طریقے سے شریک بنائے گا اور نیچے والے محبوب رہیں گے۔

۵۔ ۲ بیٹیاں یا پوتیاں ہوں تو وہ ثلثان $\frac{2}{3}$ کی مستحق ہوں گی اور ان سے نچلے درجے کی پوتیاں محبوب ہوں گی۔ البتہ اگر نیچے کسی بھی درجے میں پوتا موجود ہو تو وہ مذکورہ طریقے سے اپنے برابر والی اور اوپر والی حصہ نہ پانے والی پوتیوں کو عصبہ بالغیر بنائے گا۔

مثال: میت (زید)

درجات	حامد	محمود	منصور
۱	پوتی		
۲	پوتی	پوتی	
۳	پوتی	پوتی	پوتی
۴		پوتی	پوتی
۵			پوتی

تشریح

میتونی زید کی نو پوتیاں ہیں، جو تین بیٹوں (حامد، محمود اور [فوت شدہ] منصور) کی اولاد ہیں، اور مختلف درجات میں واقع ہیں۔ ان کے علاوہ کوئی دوسرا موجود نہیں تو زید کے ترکے میں سے پہلے درجے کی پوتی کو نصف $\frac{1}{2}$ دوسرے درجے کی دو پوتیوں کو سدس $\frac{1}{6}$ ملے گا۔ پھر ان سے نیچے کے درجات میں چونکہ پوتیاں موجود نہیں، اس لیے بیچ جانے والا ترکہ بھی انہی تینوں پر (ان کے حصوں کے مطابق) لوٹا دیا جائے گا اور نیچے والی چھ پوتیاں محبوب ہوں گی۔ البتہ اگر ان حصہ پانے والی پوتیوں سے نیچے کسی بھی درجے میں کوئی پوتا موجود ہو تو پھر باقی ماندہ ترکہ اس پوتے اور اس کے برابر اور اوپر محبوب ہونے والی پوتیوں میں للذکر مثل حظ الأنثیین کے مطابق تقسیم ہوگا، اور پوتے سے نیچے والی پوتیاں محروم رہیں گی۔ مثلاً اگر منصور کا کوئی پوتا درجہ چہارم میں موجود ہو تو اس صورت میں صرف ایک پوتی (درجہ پنجم والی) محبوب ہوگی۔

مذکورہ مثال میں اگر میت کی ایک بیٹی بھی زندہ ہو تو اس کو نصف $1/2$ اور پہلے درجے کی پوتی کو سدس $1/6$ ملے گا۔ اس کے بعد تمام پوتیاں (پوتے کی عدم موجودگی میں) محبوب ہوں گی۔ اگر میت کی دو بیٹیاں زندہ ہوں تو پہلے درجے کی پوتی بھی (پوتے کی عدم موجودگی میں) محبوب ہوگی۔ اس لیے کہ بیٹیاں ثلثان $2/3$ کی مستحق ہوں گی۔

مثال ۱: میت (حامد) کل حصے ۶

۶ = ۲ + ۴	۲/۳	۲ بیٹیاں
	محرورم	پوتی

لیکن اگر اس مثال میں میت کا پوتا یا پڑپوتا موجود ہو تو پوتی / پوتیاں اس کے ساتھ عصبہ بالغیر قرار پائیں گی:

مثال ۲: کل حصے ۶

۴	۲/۳	بیٹیاں
۲	عصبہ	پوتا / پڑپوتا
	دو۔ ایک کی نسبت سے	پوتی / پوتیاں

لیکن جہاں بیٹی ایک ہو، وہاں پوتی کا حصہ $1/6$ ہوتا ہے، اگر اس کے ساتھ ہم درجہ پوتا پڑپوتا نہ ہو، تو پوتی اس ہم درجہ پوتے کے ساتھ عصبہ بالغیر ٹھہرے گی۔ اگر پڑپوتا ساتھ ہو تو پوتی اپنا حصہ $1/6$ لے گی، جبکہ پڑپوتا عصبہ قرار پائے گا۔

مثال ۳: (کل حصے ۴)

۳	۱/۲	ایک بیٹی
۱	۱/۶	پوتی

مثال ۴: (کل حصے ۲)

۱	۱/۲	ایک بیٹی
۱	عصبہ (باقی)	پوتی اور پوتا

مثال ۵: (کل حصے ۶)

۳	۱/۲	ایک بیٹی
۱	۱/۶	پوتی
۲	عصبہ	پڑپوتا

عصبہ مع الغیر (Residuary with Another)

ان سگی اور (باپ کی طرف سے) سوتیلی بہنوں کو کہتے ہیں جو بیٹیوں یا پوتیوں کے ساتھ مل کر حدیث اجعلوا الأخوات مع البنات عصبہ* (بہنوں کو بیٹیوں / پوتیوں کے ساتھ عصبہ شمار کرو) کے مطابق ذوی الفروض سے بچ رہنے والے ترکے کی مستحق ہوتی ہیں۔ مگر شرط یہ ہے کہ ساتھ ان کے بھائی نہ ہوں، ورنہ وہ عصبہ بالغیر کا حصہ پائیں گی۔ قوی قرابت کی ترجیح یہاں بھی ملحوظ ہوگی، لہذا سگی بہن کی موجودگی میں (باپ شریک) سوتیلے بھائی بہن محبوب ہوں گے۔

ضروری تشبیہ

عصبہ مع الغیر کی صورت میں بیٹی یا پوتی کا اپنا حصہ ختم نہیں ہو جاتا، بلکہ وہ اور دیگر اصحاب الفروض اپنا مقررہ حصہ وصول کریں گے۔ اس کے بعد جو باقی بچے گا وہ (سگی یا باپ

* امام بخاری نے اس قاعدے کو باب کا عنوان بنایا ہے اور اس میں حضرت معاذ بن جبل اور حضرت عبداللہ بن مسعود سے اس

مضمون کی دو احادیث روایت کی ہیں: صحیح البخاری، کتاب الفرائض، باب ۱۲: اجعلوا الأخوات مع البنات عصبہ

شریک) بہنوں میں تقسیم ہوگا؛ جبکہ عصبہ بالغیر کی صورت میں بیٹی یا پوتی یا بہن کا اپنا حصہ ختم ہو جاتا ہے اور اپنے بھائی کی نسبت آدھا حصہ وصول کرتی ہے۔

مسئلہ مشترکہ / ہمار یہ *

تقسیم ترکہ کے سلسلے میں بنیادی اصول یہ ہے کہ تقسیم کا آغاز ذوی الفروض سے کیا جائے۔ ان کو مقررہ حصے دینے کے بعد جو کچھ بچے وہ عصبات میں تقسیم کیا جائے۔ زیر نظر مسئلہ ایک استثنائی صورت ہے اور عصبات کو بعض ذوی الفروض کے ساتھ ان کے حصے میں شریک کیا گیا ہے۔ مسئلے کی صورت درج ذیل ہے:

متوفی نے اپنے پیچھے درج ذیل وراثت چھوڑے:

شوہر، ماں، ۲ ماں شریک (انہیانی) بھائی یا بہنیں اور ایک یا زیادہ سگے بھائی۔
قاعدے کی رو سے سگے بھائی عصبہ قرار پاتے ہیں اور ترکہ ذوی الفروض میں پورا تقسیم ہو جانے کی وجہ سے ان کے لیے کچھ نہیں بچتا۔

اصل مسئلہ ۶

۱	شوہر	۱/۲	۳
۲	ماں	۱/۶	۱
۳	۲ ماں شریک بھائی / بہنیں	۱/۳	۲
۴	۲ سگے بھائی	عصبہ	ان کے لیے کچھ نہیں بچا

اس مسئلے کے حوالے سے صحابہؓ اور بعد کے فقہاء کے درمیان اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔
حضرت علیؓ، ابو موسیٰ اشعریؓ اور ابی ابن کعبؓ کی رائے کے مطابق ترکہ اصل قاعدے کے

* الموسوعة الفقهية ۳: ۷۵-۷۶

مطابق تقسیم ہو گا اور سگے بھائیوں کو ماں شریک بھائی بہنوں کے ساتھ ان کے حصے میں شریک نہیں کیا جائے گا۔ یہی رائے حنفی اور (راج قول کے مطابق) حنبلی فقہانے اختیار کی ہے۔

حضرت عثمانؓ اور زید بن ثابتؓ نیز حضرت عمرؓ کی رائے کے مطابق سگے بھائیوں کو ماں شریک بھائیوں کے ساتھ ایک تہائی (۱/۳) میں شریک کیا جائے گا۔ (اسی لیے اس مسئلے کو مسئلہ تشریک یا مشترکہ اور مشرکہ کا نام دیا گیا ہے)۔ یہ رائے مالکی اور شافعی فقہانے اختیار کی ہے۔

یہ مسئلہ حضرت عمرؓ کے سامنے جب دوسری مرتبہ پیش ہوا تو انہوں نے حسب سابق سگے بھائیوں کے میراث سے محروم ہونے کا فیصلہ دیا، جس پر بھائیوں نے عرض کیا: امیر المؤمنین، فرض کریں، ہمارے والد کی حیثیت ہمارے (گدھے) یا ایک بے وقعت پتھر (حجر) کی تھی جسے دریا برد کر دیا گیا ہو، دیکھیے، کیا ہم ایک ہی ماں کی اولاد نہیں؟! چنانچہ حضرت عمرؓ نے اپنی رائے سے رجوع کر لیا اور سگے بھائیوں کو، ماں ایک ہونے کی حیثیت سے اخیافی بھائیوں کے حصے میں برابر کا شریک کر دیا (اس مناسبت سے اس مسئلے کو "حجریہ" اور "حجر یہ" کا نام بھی دیا گیا ہے)۔

یتیم پوتے کی وراثت

پاکستان میں یتیم پوتے کی وراثت سے متعلق قانون مسلم عائلی قوانین آرڈیننس ۱۹۶۱ء کی دفعہ نمبر ۴ ہے جس کی رو سے دادا اور نانا کے ان پوتوں اور پوتیوں اور نواسوں اور نواسیوں کو دادا اور نانا کا وارث قرار دیا گیا ہے جن کے باپ یا ماں موٹ (دادا / نانا) کی زندگی میں وفات پا گئے ہوں۔ مذکورہ دفعہ کا متن درج ذیل ہے:

وراثت شروع ہونے سے قبل موٹ کے کسی لڑکے یا لڑکی کی موت کی صورت میں ایسے لڑکے یا لڑکی کی اولاد، اگر ہو، جو وراثت شروع ہونے پر زندہ ہو، بحصہ رسدی اس حصے کے برابر حصہ پائے گی، جو ایسا لڑکا یا لڑکی اگر زندہ ہوتے تو پاتے۔

اس دفعہ کے اندر قرآن کے چار صریح اصولوں کی خلاف ورزی معلوم ہوتی ہے:

۱۔ قرآن ایک موٹ کے ترکے میں صرف ان رشتہ داروں کے حصے مقرر کرتا ہے جو موٹ کی وفات کے وقت زندہ موجود ہوں؛ لیکن آرڈیننس کی یہ دفعہ بعض ان رشتہ داروں کو حصہ دلواتی ہے جو موٹ کی زندگی میں وفات پا چکے ہیں۔ گویا اس دفعہ کی رو سے پہلے یہ فرض کیا جائے کہ وہ وفات یافتہ رشتہ دار موٹ کی وفات کے وقت زندہ ہیں اور اس مفروضے کی بنا پر واقعی زندہ رشتہ داروں کے ساتھ ان کا حصہ نکالا جائے گا۔ پھر ان کا حصہ نکالتے ہی انہیں مردہ تسلیم کر لیا جائے گا اور آگے ان کے وارثوں میں وہ تقسیم کیا جائے گا۔

۲۔ قرآن کریم میں جن رشتہ داروں کے حصے مقرر کیے گئے ہیں، ان میں بیٹوں اور بیٹیوں کے علاوہ ماں باپ، بیوی، شوہر اور موٹ کے کلالہ ہونے کی صورت میں بھائی اور بہن بھی شامل ہیں؛ لیکن آرڈیننس کی یہ دفعہ ان میں سے صرف بیٹوں اور بیٹیوں کو اس امتیاز کے لیے منتخب کرتی ہے کہ موٹ کی زندگی میں مرجانے کے باوجود وہ حصہ وصول کرنے

کے لیے مورث کی موت کے وقت زندہ فرض کیے جائیں اور پھر آگے حصہ تقسیم کرنے کے لیے مردہ تسلیم کر لیے جائیں۔

۳۔ قرآن کی رو سے ایک مورث کے ترکے میں اس کے تمام بیٹے اور بیٹیوں کا حق ہے۔ قطع نظر اس کے کہ وہ صاحب اولاد ہوں یا نہ ہوں، شادی شدہ ہوں یا نہ ہوں، بالغ ہوں یا نہ ہوں؛ لیکن اس آرڈیننس میں مزید امتیاز برتا گیا ہے کہ جو بیٹے اور بیٹیاں مورث کی زندگی میں لا ولد مر گئے ہوں ان کو تو حصہ وصول کرنے کے لیے زندہ فرض نہیں کیا جائے گا، البتہ جو اولاد چھوڑ گئے ہوں ان کا حصہ وصول کیا جائے گا۔

۴۔ یہ آرڈیننس مزید امتیاز یہ برتا ہے کہ فوت شدہ صاحب اولاد بیٹوں اور بیٹیوں کی بھی صرف اولاد کو حصہ پہنچتا ہے۔ حالانکہ قرآن کی رو سے اگر مورث کے مال میں ان کا کوئی حق ہے تو پھر وہ ان کی ماں یا ان کے باپ اور ان کی بیوی یا ان کے شوہر کو پہنچتا ہے۔ مثلاً ایک متوفی بیٹی کا حصہ نکالا جائے تو اس کا شوہر بھی حق دار ہے اگر وہ زندہ ہو، اور اس کی ماں بھی حق دار ہے اگر وہ متوفی باپ سے حصہ پارہی ہو، اور اس کا باپ بھی حق دار ہے اگر وہ متوفی ماں سے حصہ پارہی ہو۔ نانا سے صرف نواسوں اور نواسیوں کا حصہ دلوانا اور دوسرے وارثوں کا چھوڑ دینا قرآن کے احکام کے منافی ہے۔

جواز کی دلیل کا جائزہ

ان سوالات کے جواب میں زیادہ سے زیادہ جو بات کہی جاسکتی ہے، وہ یہ ہے کہ تمام نئے مفروضات اور قاعدے صرف قرآن کے اس منشا کو پورا کرنے کے لیے کیے گئے ہیں کہ یتامیٰ کی مدد کی جائے۔ اگرچہ بجائے خود یہ قاعدے اور مفروضے قرآن سے ماخوذ نہیں ہیں، لیکن یہ عذر دو وجوہ سے بالکل غلط ہے: پہلی وجہ یہ ہے کہ قرآن کا قانون میراث سرے سے اس اصول پر مبنی ہی نہیں ہے کہ کسی پر رحم کھا کر اس کی مدد کی جائے، ورنہ کوئی وجہ نہیں تھی کہ قرآن ایک مال دار رشتہ دار کو میراث کا حق پہنچاتا، محض اس بنا پر قاعدے کے مطابق

حق دار رشتوں کے دائرے میں آتا ہے، اور ایک انتہائی مفلس اور قابلِ رحم رشتہ دار کو محروم رکھنا محض اس بنا پر کہ وہ قاعدے کے مطابق حق دار رشتوں کے دائرے میں شامل نہیں ہے۔ ایک اپاہج مفلس بھائی کو محروم کرنا اور ایک دولت مند بیٹے کو دولت مند باپ کی جائداد کا وارث بنانا بالکل غلط ہو جاتا؛ اگر قانون میراث بنانے سے قرآن کا منشا یہ ہوتا کہ حاجت مندوں کی مدد کی جائے۔ دوسری وجہ جس کی بنا پر یہ عذر قطعاً غلط ہو گا، یہ ہے کہ اگر فی الواقع قرآن کا ایسا کوئی منشا ہوتا کہ یتیم پوتوں اور نواسوں کی مدد دادا اور نانا کی میراث میں ان کو حصہ دار بنا کر کی جانی چاہیے تو آخر امر اس میں کیا مانع تھا کہ قرآن اپنے اس غامض منشا کو ایک صاف حکم کے ذریعے سے کھول دیتا۔ اگر قرآن نے نہیں کھولا تھا تو یہ منشا نبی ﷺ سے مخفی نہیں رہنا چاہیے تھا، آپ نے ایسا حکم کیوں نہ دیا؟ اگر حضور ﷺ نے اس کو نہیں کھولا تھا تو آخر کیا معقول وجہ تھی کہ چودہ صدیوں میں اسلام کے سارے فقہاء سے مخفی رہ گیا۔

مسئلے کا صحیح حل

باپ کی زندگی میں فوت ہو جانے والے بیٹوں اور بیٹیوں کی اولاد کو جو مشکلات پیش آتی ہیں، ان کو حل کرنے کا صحیح طریقہ بارہا علما کی طرف سے پیش کیا جا چکا ہے۔ یہ حل ایک تو دادا اور نانا کی طرف سے یتیم پوتے اور نواسے کے حق میں اپنی زندگی میں ہبہ کی صورت ہے جو پوری جائداد کا بھی ہو سکتا ہے، اور دوسرا وصیت کے ذریعے ہے جو ایک تہائی جائداد تک ہو سکتی ہے۔ اگر دادا یا نانا اپنی زندگی میں یہ انتظام نہ کرے تو قانون کے ذریعے عدالت کو اس کا مجاز کیا جاسکتا ہے کہ وہ ایسی صورت پیش آنے پر دادا یا نانا کی جائداد سے ایک تہائی تک

جتنا حصہ مناسب سمجھے یتیم پوتے تک پہنچادے۔ مصر میں یہی صورت اختیار کی گئی ہے۔^۱ اس مسئلے کے بارے میں مزید تفصیل کتاب کے دوسرے حصے میں "وصیت" واجبہ اور یتیم پوتے کی وراثت " کے تحت ملاحظہ ہو۔

مسلم عائلی قوانین آرڈیننس ۱۹۶۱ء کی اس دفعہ ۴ کو قرآن و سنت سے متصادم ہونے کی بنا پر پہلی دفعہ پشاور ہائی کورٹ کے شریعت بنچ کے روبرو مسماۃ فرشتہ بنام سرکار مقدمہ میں چیلنج کیا گیا۔ چنانچہ پشاور ہائی کورٹ نے ۱۹۷۹ء میں اس دفعہ کو قرآن و سنت کی تعلیمات کے منافی قرار دیتے ہوئے یہ فیصلہ دیا:

To sum up we are of the considered opinion that section 4 of the Muslim Family Laws Ordinance is against the injunctions of Islam and that it should be repealed.²

بحث کو سمیٹتے ہوئے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ مسلم عائلی قوانین آرڈیننس کی دفعہ ۴ اسلامی تعلیمات سے متصادم ہے اور اسے کالعدم قرار دیا جائے۔

بعد ازاں ۱۹۸۰ء میں سپریم کورٹ آف پاکستان نے پشاور ہائی کورٹ کے اس فیصلے کو دائرہ سماعت نہ ہونے کی بنا پر کالعدم قرار دے دیا۔ ۱۹۸۰ء میں فیڈرل شریعت کورٹ کا قیام عمل میں لایا گیا، لیکن دیگر تین قوانین کے ساتھ ساتھ شخصی قوانین کو اس کے دائرہ اختیار سے باہر رکھا گیا۔ جس کی وجہ سے فیڈرل شریعت کورٹ اس پر غور و خوض نہ کر سکی، بعد ازاں سپریم کورٹ کے دیے گئے چند فیصلوں کی بنیاد پر وفاقی شرعی عدالت نے ۲۰۰۰ء میں مقدمہ

۱۔ مسلم فیملی لا آرڈیننس پر پاکستان کے علما کا تبصرہ (کتابچہ) مرتبہ میاں طفیل محمد، صفحات ۶-۹، مزید وضاحت کے لیے دیکھیے: مفتی محمد شفیع، جواہر الفقہ، مکتبہ دارالعلوم، کراچی ۲: ۳۸۱-۳۹۳

۲۔ PLD 1980 Peshawar 47

بعنوان اللہ رکھا بنام سرکار میں دفعہ ہذا کا اسلامی تعلیمات کی روشنی میں جائزہ لیتے ہوئے اسے قرآن و سنت کے منافی قرار دیا۔

63. In view of the foregoing discussion we hold that the provision contained in section 4 of the Muslim Family Laws Ordinance, 1961, as presently in force, is repugnant to the Injunctions of Islam and direct the President of Pakistan to take steps to amend the law so as to bring the said provision in conformity with the Injunctions of Islam. We further direct that the said provision which has been held repugnant to the Injunctions of Islam shall cease to have effect from 31st day of March, 2000.*

اس بحث کی روشنی میں ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ مسلم عائلی قوانین آرڈیننس ۱۹۶۱ء کی دفعہ ۴ موجودہ شکل میں اسلامی تعلیمات سے متصادم ہے۔ چنانچہ ہم صدر پاکستان کو ہدایت کرتے ہیں کہ وہ اس دفعہ کو اسلامی تعلیمات سے ہم آہنگ کرنے کی خاطر مذکورہ قانون میں ترمیم کے لیے اقدامات کریں۔ مزید یہ قرار دیا جاتا ہے کہ مذکورہ بالا شق، جسے اسلامی تعلیمات سے متصادم قرار دیا ہے، ۳۱ مارچ ۲۰۰۰ء سے غیر موثر اور ناقابل عمل تصور ہوگی۔

حکومت پاکستان نے وفاقی شرعی عدالت کے خلاف سپریم کورٹ اپیلیٹ بینچ میں اپیل دائر کر دی جو تاحال زیر سماعت ہے۔ اپیلیٹ بینچ کے حتمی فیصلے تک آئین کی رو سے وفاقی شرعی عدالت کا فیصلہ رو بعمل نہیں آسکتا۔

* اللہ رکھا بنام سرکار، PLD 2000 FSC

دادا (جد صحیح) کا میت کے حقیقی یا علانی بہن بھائیوں کے ساتھ وراثت میں حصہ

اگر باپ موجود نہ ہو تو دادا (جد صحیح true grandfather) باپ کا قائم مقام ہوتا ہے۔ اس کو وہی حصہ ملتا ہے جو باپ کو ملتا ہے۔ اس لیے کہ قرآن کریم میں جد کو اب (باپ) کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اسی طرح احادیث نبویہ میں بھی دادا کے لیے اب کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ میراث میں دادا کے باپ کے قائم مقام ہونے کے متعلق صحابہ کرام کا اجماع ہے۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن زبیرؓ کی رائے ہے کہ باپ کی عدم موجودگی میں دادا اس کی جگہ لے گا۔ صحابہ کرامؓ میں سے کسی کا اس سے اختلاف منقول نہیں۔*

چنانچہ جب کسی میت کا باپ موجود ہو گا، دادا میراث نہ پائے گا۔ اسی طرح ہر جد قریب دور کے جد کا میراث سے حاجب (محروم کنندہ) ہو گا۔ لیکن اس کے باوجود کہ میراث میں باپ ہی کی طرح دادا کی تین حالتیں ہیں، وہ چند مسائل میں باپ سے مختلف بھی ہے، مثلاً:

۱۔ باپ کسی صورت میں میراث سے محجوب (محروم) نہیں ہوتا، چنانچہ جب میراث کا کوئی امر مانع موجود نہ ہو تو کوئی دوسرا قرابت دار اس کو وراثت سے محروم نہ کر سکے گا۔ لیکن

* صحیح بخاری، کتاب الفرائض، باب میراث الجد مع الأب والإخوة ۲: ۹۹۸

دادا باپ کے موجود ہونے سے محبوب ہو جاتا ہے جو کہ حجج حرمان کے درجہ کا ہوتا ہے، اسی طرح جد قریب جد بعید کے لیے حاجب ہوتا ہے۔

۲۔ باپ کے ساتھ باپ کی ماں وارث نہ ہوگی جس طرح ہر جد کے ساتھ اس کے باپ کی ماں وارث نہیں ہوتی، لیکن اگر کسی میت کا جد (دادا) موجود ہو اور اس کے ساتھ میت کے باپ کی ماں بھی موجود ہو تو اس صورت میں وہ وارث ہوگی۔

۳۔ مسئلہ غزاویہ، یعنی جبکہ میت کے والدین اور شوہر یا بیوی (جیسی صورت ہو) میں سے ایک موجود ہو تو زوجین میں سے کسی ایک کا حصہ دینے کے بعد باقی ترکہ کا ایک تہائی ماں کو ملے گا، کل ترکہ کا تہائی نہ ملے گا؛ لیکن اگر اس مسئلے میں باپ کی جگہ دادا موجود ہو تو ماں کل ترکہ کا ایک تہائی لے گی، کیونکہ میت کی ماں جد کی نسبت میت سے زیادہ قریب ہوتی ہے۔* البتہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ایسی صورت میں بھی میت کی ماں کو باقی کا تہائی ہی دیا جائے گا۔

۴۔ علما کا اس پر اتفاق ہے کہ باپ کی موجودگی میں میت کے ہر قسم کے بھائی بہن محبوب ہو جائیں گے، لیکن اگر باپ موجود نہ ہو اور دادا موجود ہو تو اخیانی بھائی بہن محبوب ہوں گے؛ اس پر اجماع ہے۔ البتہ حقیقی یا علانی بھائی بہن کے وارث ہونے میں اختلاف ہے۔ صحابہ کرامؓ کے ایک گروہ کا جن میں حضرت علیؓ و زیدؓ و ابن مسعودؓ شامل ہیں، یہ مذہب ہے کہ دادا کے ساتھ حقیقی و علانی بھائی بھی وارث ہوں گے، اگر میت کے اولاد نہ ہو۔ اسی کو امام مالکؒ، شافعیؒ، احمد بن حنبلؒ، ابو یوسفؒ، محمد بن حسن الشیبانیؒ، ابن ابی لیلیٰؒ اور ابن شبرمہؒ نے اختیار کیا ہے۔

* ابو زہرہ، أحكام التركات والموارث، ص ۸۵-۱۸۲؛ جرجانی، سید شریف، الشریفة شرح السراجیة، ص ۱۹

البتہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک باپ کی غیر موجودگی اور دادا کی موجودگی میں تمام قسم کے بھائی بہن (بشمول حقیقی اور علاقائی بھائی بہن) ساقط ہو جائیں گے۔^۱ (اس کی تفصیل درج ذیل ہے)۔

میت کے حقیقی یا علاقائی بھائی اور دادا

جبکہ دادا کے ساتھ میت کے حقیقی یا علاقائی بھائی بہن یا صرف بھائی یا بہنیں موجود ہوں تو اس حالت میں دادا کی میراث کا کیا حکم ہو گا؟ اس مسئلے میں خود صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کے درمیان بھی خاصا اختلاف رہا ہے۔

شریفیہ (شرح سراجیہ) میں لکھا ہے کہ "ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر چند صحابہ بشمول ابن عباسؓ، ابن زبیرؓ، ابن عمرؓ، حذیفہ بن الیمانؓ، ابو سعید خدریؓ، ابی بن کعبؓ، ابو موسیٰ اشعریؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ وغیرہ کا قول ہے کہ حقیقی اور علاقائی بھائی بہن دادا کے ساتھ وارث نہیں ہوتے، (جیسا کہ وہ باپ کے ساتھ وارث نہیں ہوتے) بلکہ باپ کی طرح دادا کل ترکہ لے لیتا ہے۔ یہی قول امام ابو حنیفہؒ کا ہے، نیز اکثر تابعین بشمول شریحؒ، عطاءؒ، عروہ بن زبیرؒ، عمر بن عبدالعزیزؒ، حسن بصریؒ اور ابن سیرینؒ کا بھی یہی قول ہے۔^۲

اس کی تائید میں حضرت ابن عباسؓ کا یہ قول دلیل کے طور پر پیش کیا جاتا ہے کہ آپ نے فرمایا: زید بن ثابت اللہ سے نہیں ڈرتے، وہ پوتے کو بیٹے کا قائم مقام قرار دیتے ہیں مگر دادا کو باپ کا قائم مقام قرار نہیں دیتے! مطلب یہ ہے کہ بھائیوں کے مقابلے میں میت سے قرب و بعد کی جو نسبت پوتے کو ہے وہی نسبت دادا کو ہے، یعنی دونوں میں وراثت کی علت مشترک ہے۔ لہذا دونوں کا حکم بھائیوں کے مجہوب کرنے کے سلسلے میں ایک ہونا چاہیے۔

۱- ابو زہرہ، أحكام الترات والموارث، ص ۱۷۹؛ جرجانی، الشریفیہ، ص ۱۹

۲- الشریفیہ، ص ۸۲

چنانچہ جس طرح پوتا بجائے بیٹوں کے بھائیوں کے لیے حاجب ہوتا ہے اسی طرح دادا باپ کی جگہ لے کر بھائیوں کے لیے حاجب ہونا چاہیے۔^۱

چنانچہ قاضی شریح، عمر بن عبدالعزیز، حسن بصری، داؤد بن علی الظاہری، عطاء، عروہ ابن زبیر، ابن سیرین اور ابو حنیفہ رحمہم اللہ نے ان صحابہؓ کا قول اختیار کیا جو کہتے ہیں کہ ہر قسم کے بھائی بہن دادا کے مقابلے میں وراثت سے محروم ہوں گے۔^۲ امام سرخسیؒ نے حضرات ابو بکر صدیق، ابن عباس، عائشہ صدیقہ، اُبی ابن کعب، ابو موسیٰ اشعری، عمران ابن حصین، عبداللہ بن زبیر اور معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہی مذہب بیان کیا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق یہ ظاہر کیا ہے کہ آپ اس مسئلے میں آخر تک کوئی رائے قائم نہ کر سکے تھے۔^۳

اس کے برخلاف حضرت علی بن ابی طالب، زید بن ثابت اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم اور اکثر صحابہؓ کا قول ہے کہ دادا، جبکہ میت کی اولاد موجود ہو، باپ کی طرح ہے اور جب اولاد موجود نہ ہو بلکہ دادا کے ساتھ میت کے حقیقی یا علاتی (پدری) بھائی ہوں تو وہ باپ کی طرح ان لوگوں کا حاجب نہ ہو گا بلکہ علاتی بہن بھائی اس کے ساتھ وارث ہوں گے، البتہ دادا انخیانی (ماں شریک) بھائی بہنوں کا حاجب ہو گا۔^۴ یہی مذہب سفیان ثوری اور حنفی فقہاء میں سے امام ابو یوسف و محمد بن حسن الشیبانی، امام مالک اور شافعی رحمہم اللہ کا ہے۔ اس مسئلے میں حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے دو روایتیں ہیں، لیکن مشہور روایت یہ ہے کہ وہ حضرت زید کے موافق ہیں۔

۱- ایضاً

۲- عمر عبداللہ، أحكام الموارث فی الشریعة الإسلامیة، ص ۱۹۵؛ الشریفة، ص ۸۲

۳- المبسوط ۲۹: ۸۰-۱۷۹؛ الشریفة، ص ۸۳

۴- الشریفة، ص ۸۲-۸۳

مقاسمۃ الجدد میں طریق توریث

علم میراث میں دادا کی موجودگی میں بھائی کی میراث کے لیے مقاسمۃ الجدد کی اصطلاح رائج ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ دادا کے ساتھ اگر میت کے بھائی بہن بھی موجود ہیں تو دادا کو بھی ایک بھائی کا حصہ دیا جائے، نہ یہ کہ دادا کی موجودگی میں میت کے بھائی بہن بالکل محروم کر دیے جائیں، جیسا کہ امام ابو حنیفہؒ کا مذہب ہے۔ صاحبین اور ان کے متبعین مذہب کے نزدیک دادا کے ساتھ بھائی بہن موجود ہوں تو بھائی بہن بھی وارث ہوں گے اور دادا کو ایک بھائی کی حیثیت سے شریک کیا جائے اور للذکر مثل حظ الأنثیین کے مطابق میراث کی تقسیم ہوگی۔ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ دادا درجہ دوم کا عصبہ ہے جبکہ بھائی درجہ سوم کا عصبہ ہے۔ اس لیے الأقرب یحجب الأبعد کی بنیاد پر دادا کی موجودگی میں بھائی کو ترکہ میں سے حصہ نہیں ملنا چاہیے۔

مقاسمۃ کا لفظ باب مفاعله سے ہے جو قسمت (تقسیم) سے ماخوذ ہے۔ یہاں اس سے دُرثا کا باہم ایک دوسرے کے مقابلے میں ترکے کو اپنے لیے تقسیم کر لینا یا کر لینا مراد ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے چونکہ حضرت ابو بکر صدیق، ابن عباس، ابن زبیر، ابن عمر، حذیفہ ابن یمان، ابو سعید خدری، ابی ابن کعب، معاذ بن جبل، ابو موسیٰ اشعری اور عائشہ صدیقہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کا مذہب اختیار کیا ہے کہ میت کے دادا کی موجودگی میں میت کے بھائی بہن میراث سے محروم ہوں گے، دادا اور ان کے درمیان ترکہ کی باہمی تقسیم نہ ہو سکے گی۔ لہذا اس مسئلے کو ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک پر باب المقاسمۃ کے نام سے موسوم نہیں کیا جاسکتا اور نہ کیا گیا ہے، بلکہ صاحبین (امام ابو یوسف و امام محمد رحمہما اللہ) کے مذہب کے مطابق چونکہ دادا کے ساتھ میت کے بھائی بہن محروم نہیں ہوتے بلکہ ترکے کی تقسیم میں دادا کے ساتھ شریک ہوتے ہیں، اس لیے مسئلے کا نام مقاسمۃ الجدد رکھا گیا ہے۔ اور یہی متاخرین

حنفی فقہاء کے نزدیک مفتی بہ قرار پایا ہے۔ صاحبین نے صحابہ میں سے حضرت ابن مسعود، زید بن ثابت اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے قول کو اختیار کیا ہے۔

حضرت علیؑ کا مقاسمۃ الجد میں طریق توریث

اگرچہ حضرات علی، ابن مسعود اور زید بن ثابت رضوان اللہ علیہم نے بھائیوں کی موجودگی میں دادا کو حصہ دیے جانے میں اتفاق کیا ہے لیکن کیفیت تقسیم میں اختلاف ہے۔ حضرت علیؑ کے نزدیک دادا کو چھٹایا مقاسمہ میں سے جو بڑا حصہ ہو وہ ملے گا۔ یعنی حضرت علیؑ کی تقسیم اس طرح ہے کہ دادا بھائیوں کے ساتھ مقاسمہ کرے گا جب تک کہ اس کا حصہ چھٹے سے کم نہ ہو اور جب مقاسمہ میں اس سے کم ہو تو اسے چھٹا حصہ دیا جائے گا کیونکہ باپ کا حصہ چھٹے حصے سے کم نہیں ہوتا۔

حضرت زیدؑ کے نزدیک دادا کو پورے ترکہ کے ایک تہائی یا مقاسمہ میں سے جو بڑا حصہ ہو وہ ملے گا، حضرت علیؑ اور ابن مسعودؑ کے نزدیک بھی یہی صورت ہے، جبکہ کوئی اور ذی فرض نہ ہو۔

اگر حقیقی بھائیوں کے ساتھ علائی بھائی بھی ہوں تو حضرت علیؑ کے نزدیک علائی بھائیوں کا سرے سے لحاظ نہیں کیا جائے گا، چنانچہ اگر دادا کے ساتھ حقیقی اور علائی بھائی ہوں تو میراث دادا اور حقیقی بھائی میں مقاسمۃ کے طریقے پر تقسیم ہوگی۔ اسی طرح حضرت علیؑ کے نزدیک دادا بہنوں کو (جبکہ بھائی کے ساتھ ہوں) عصبہ نہیں کرتا بلکہ بہن دادا کے ساتھ ذی فرض ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ایسی صورت میں اگر ترکہ دادا، حقیقی بہن اور علائی بہن میں تقسیم ہو تو حقیقی بہن کو نصف اور علائی بہن کو چھٹا حصہ ملے گا، تاکہ دو تہائی پورا ہو جائے اور باقی دادا کو دیا جائے گا۔

ابن مسعودؓ کا طریق توریث

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے نزدیک دادا کے لیے مقاسمہ کیا جائے گا، جب تک کہ اس کا حصہ تہائی سے کم نہ ہو، اس میں وہ حضرت زیدؓ سے متفق ہیں اور اس میں بھی کہ حقیقی بھائی کی موجودگی میں علاقائی بھائی کا لحاظ نہ کیا جائے گا، نیز یہ کہ بہن دادا کے ساتھ ذی فرض ہو جائے گی، حضرت علیؓ کے ساتھ موافقت کی ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے اس مسئلے میں یہ دونوں روایتیں منقول ہیں۔

زید بن ثابتؓ کا طریق توریث

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے نزدیک دادا کو حقیقی و علاقائی بھائی بہنوں کے ساتھ جبکہ کوئی ذی فرض ساتھ میں نہ ہو، مقاسمہ یا کل مال کی تہائی، جو زیادہ ہو، ملے گا۔ صاحبین نے حضرت علیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کے طریق توریث کے مقابلے میں حضرت زید بن ثابتؓ کے طریق توریث کو پسند کیا ہے۔ متاخرین حنفی فقہانے صاحبین ہی کے اختیار کردہ مذہب پر عمل کیا ہے۔ مشہور روایت یہ ہے کہ وہ حضرت زیدؓ کے موافق ہیں۔

امام احمد بن حنبل کا مسلک

امام احمد بن حنبلؒ بھی مقاسمہ الجد کے قائل ہیں اور امام مالک، شافعی اور امام محمد (رحمہم اللہ) و دیگر سے متفق ہیں۔*

* المبسوط ۲۹: ۸۴؛ مجموعہ قوانین اسلام ۵: ۱۷۴۷-۱۷۵۹

حَجْب

EXCLUSION

حَجْب کا لغوی معنی روکنا، باز رکھنا اور منع کرنا ہے۔ علم الفرائض کی اصطلاح میں کسی مستحق کے موجود ہونے کی وجہ سے دوسرے مستحق کا حصہ کم ہونا یا بالکل ختم ہونا حَجْب کہلاتا ہے۔

حَجْب کی اقسام

حجب کی دو قسمیں ہیں: حجب نقصان اور حجب حرمان

حَجْب نقصان (Partial Exclusion)

یعنی کسی مستحق کے موجود ہونے کی وجہ سے دوسرے مستحق کا حصہ کم ہونا۔ یہ صرف پانچ ورثہ سے متعلق ہے:

- ۱۔ شوہر: اس کا حصہ نصف $1/2$ ہے، مگر اولاد کے موجود ہونے پر رُبع $1/4$ ہو جاتا ہے۔
- ۲۔ بیوی: اس کا حصہ ربع $1/4$ ہے، مگر اولاد کے موجود ہونے پر ثمن $1/8$ ہو جاتا ہے۔

۳۔ ماں: اس کا حصہ ثلث ہے مگر اولاد یا دو اور اس سے زیادہ بھائی بہنوں کے موجود ہونے کی وجہ سے سدس $1/6$ ہو جاتا ہے۔

- ۴۔ پوتی: اس کا حصہ نصف $1/2$ ہے، مگر بیٹی کی موجودگی پر سدس $1/6$ ہو جاتا ہے۔
- ۵۔ سوتیلی بہن (باپ شریک بہن): اس کا حصہ نصف $1/2$ ہے، مگر سگی بہن کے موجود ہونے پر سدس $1/6$ ہو جاتا ہے۔

حجبِ حرمان (Total Exclusion)

یعنی کسی زیادہ قریبی رشتہ دار کی موجودگی پر دوسرے مستحق کا حصہ ختم ہو جانا۔ یہ بے شمار وراثت پر لاگو ہوتا ہے۔ مگر چھ وراثت: ماں، باپ، بیٹا، بیٹی، میاں، بیوی کبھی بھی محبوبِ حرمان (محروم) نہیں ہوتے، بلکہ ہر صورت میں وراثت سے حصہ پاتے ہیں۔ البتہ مقدار میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ جن وراثت سے حجبِ حرمان متعلق ہوتا ہے، اس کے دو اسباب ہیں:

اول: ہر قریب بعید کو محبوب کر دیتا ہے۔ مثلاً باپ دادا کو اور بیٹا پوتے کو محبوب کر دیتا ہے۔

دوم: جس وارث کا میت سے رشتہ کسی دوسرے وارث کے ذریعے سے ہو تو مؤخر الذکر کے موجود ہونے پر وہ وارث محبوب ہو جائے گا۔

مثال کے طور پر دادا کا میت سے رشتہ باپ کے واسطے سے ہے اور پوتے کا رشتہ بیٹے کے واسطے سے ہے، تو باپ کے موجود ہونے پر دادا اور بیٹے کے موجود ہونے پر پوتا محبوب ہو گا۔ مگر اولاد الام (ماں شریک بہن بھائی، اخیانی) اس قاعدے سے مستثنیٰ ہیں کہ میت کے ساتھ ماں کے واسطے سے رشتہ رکھتے ہیں، مگر اس کے باوجود ماں کے ہوتے ہوئے محبوب نہیں ہوتے۔

ممنوع اور محبوب کا فرق

۱۔ ممنوع الارث، وہ شخص ہے جو میراث کے موانع میں سے کسی مانع کی موجودگی کی وجہ سے ترکے سے حصہ پانے کا استحقاق کھو بیٹھے۔ جبکہ محبوب بحرمان وہ ہے جو اپنے سے زیادہ قریبی وارث کی موجودگی کی وجہ سے حصہ نہ پاسکے۔ بالفاظ دیگر ممنوع کو اس کا اپنا کوئی وصف یا حالت محروم کر دیتی ہے، جیسے دین الگ ہونا، قتل اور غلامی وغیرہ۔ جبکہ محبوب کو اپنا وصف محروم نہیں کرتا، بلکہ دوسرے وارث کی موجودگی اس کو محروم کرتی ہے۔ ممنوع من الارث کو اصطلاحاً محروم کہا جاتا ہے۔ لیکن عام زبان میں محبوب وارث کے لیے بھی لفظ محروم کبھی کبھی بول دیا جاتا ہے۔ ایسی صورت میں اس سے اصطلاحی محروم مراد نہیں ہوتا۔

۲۔ ترکہ کی تقسیم میں محروم اور محبوب کا مختلف اثر ہوتا ہے۔ ایک محروم رشتہ دار کسی وارث کے حصے پر اثر انداز نہیں ہو سکتا، یعنی وہ نہ کسی کو مکمل طور پر محروم کر سکتا ہے اور نہ ہی اس کا حصہ کم کر سکتا ہے۔ گویا اس کا ہونا یا نہ ہونا برابر ہے۔ مثلاً کسی کا بیٹا کافر ہو جائے یا اپنے باپ کو قتل کر دے تو وہ خود تو محروم قرار دیا جائے گا، لیکن اس کی وجہ سے میت کے پوتے یا میاں بیوی کے حصے میں کمی نہ ہوگی۔ لیکن اس بیٹے کے اندر ان موانع میں سے کوئی مانع نہ ہو تا تو وہ لازماً ان تمام ورثا کے حصوں پر اثر انداز ہوتا۔

دوسری طرف ایک محبوب رشتہ دار اگرچہ خود ترکے میں سے کوئی حصہ نہ پائے یا کم حصہ پائے، مگر بعض اوقات دیگر ورثا کے حصوں پر اثر انداز ہوتا ہے۔ مثلاً کسی میت کے ورثا میں سے اگر ماں باپ اور دو بھائی ہوں، تو اگرچہ دونوں بھائی باپ کی وجہ سے حصہ نہ پائیں گے، مگر ان کی وجہ سے ماں کا حصہ ایک تہائی $1/3$ سے کم ہو کر $1/6$ ہو جائے گا۔*

ممنوع یا محروم کی تقابلی مثال

ب۔ میت (زید) کل حصے: ۱۲		
ماں	حصہ $1/3$	مقدار: ۴
بیوی	حصہ $1/2$	مقدار: ۳
بیٹا (قاتل)	محروم	-
بھائی	عصبہ / باقی	مقدار: ۵

الف۔ میت (زید) کل حصے: ۲۴		
ماں	حصہ $1/6$	مقدار: ۴
بیوی	حصہ $1/8$	مقدار: ۳
بیٹا	عصبہ / باقی	مقدار: ۱۷
بھائی	محبوب	-

* الموسوعة الفقهية ۳: ۳۲؛ درادکہ، المیراث فی الشریعة، ص ۲۱۵؛ اصول وراثت ترکہ، ص ۲۶

محبوب کی تقابلی مثال

ب۔ میت (زید) کل حصے: ۶		
ماں	حصہ ۱/۶	مقدار: ۱
باپ	عصبہ / باقی	مقدار: ۵
۲ بھائی	محبوب	-

الف۔ میت (زید) کل حصے: ۳		
ماں	حصہ ۱/۳	مقدار: ۱
باپ	عصبہ / باقی	مقدار: ۲

حجب کی چند حل شدہ مثالیں

کل حصے: ۱۲

اس مثال میں بیٹی کی موجودگی کی وجہ سے شوہر اور ماں کا حصہ کم ہو گیا۔	شوہر	حصہ ۱/۳	مقدار ۳ (حجب نقصان)
	ماں	حصہ ۱/۶	مقدار ۲ (حجب نقصان)
	بیٹی	حصہ ۱/۲	مقدار ۶
	سگا بھائی	عصبہ	مقدار ۱

کل حصے: ۶

اس مثال میں بیٹی کی وجہ سے پوتی کا حصہ ۱/۲ سے کم ہو کر ۱/۶ ہو گیا۔ نیز اس مثال میں باپ کی دو حیثیتیں ہیں؛ وہ ذوی الفروض میں سے بھی ہے اور عصبہ بھی۔ بھائی چاہے سگا ہو یا سوتیلا، باپ کی وجہ سے وراثت سے حصہ پانے سے مکمل طور پر محبوس (محروم) ہو جاتا ہے۔	بیٹی	حصہ ۱/۲	مقدار ۳
	پوتی	حصہ ۱/۶	مقدار ۱
	باپ	+ ۱/۶ باقی بطور عصبہ	مقدار ۲
	بھائی	محبوب	-

کل حصے: ۶

اس مثال میں سوتیلی (باپ شریک) بہن کو سگی بہن کی موجودگی کی وجہ سے $1/2$ کے بجائے $1/6$ دیا گیا ہے۔ اس پر حج نقصان لاگو ہوا ہے۔ بہن بھائی چونکہ ایک سے زیادہ ہیں، اس لیے ماں کا حصہ بھی $1/3$ سے کم ہو کر $1/6$ ہو گیا۔	مقدار: ۳	حصہ $1/2$	سگی بہن
	مقدار: ۱	حصہ $1/6$	سوتیلی (باپ شریک) بہن
	مقدار: ۱	حصہ $1/6$	ماں
	مقدار: ۱	حصہ $1/6$	سوتیلیا (ماں شریک) بھائی

کل حصے: ۲۴

اس مثال میں سگا بھائی پوتے کی وجہ سے محبوب ہے۔	مقدار: ۳	حصہ $1/8$	بیوی
	مقدار: ۱۶	حصہ $2/3$	۲ بیٹیاں
	مقدار: ۵ ۲:۱ کی نسبت سے	حصہ باقی	پوتا۔ پوتی
	-	محبوب	سگا بھائی

کل حصے: ۱۲

اس مثال میں ماں شریک بھائی دادا کی وجہ سے محبوب ہے۔	مقدار: ۳	حصہ $1/4$	شوہر
	مقدار: ۶	حصہ $1/2$	بیٹی
	مقدار: ۵	حصہ $1/6$ + عصبہ	دادا
	-	محبوب	ماں شریک بھائی

وَرثَاکے حصوں کے عددی اصول

اصول جمع ہے اصل کی، جس کا لغوی معنی "بنیاد" ہے۔ علم الفرائض کی اصطلاح میں اصل سے مراد وہ سب سے چھوٹا عدد ہوتا ہے جس سے قرآن مجید کے بیان کردہ چھ فروض (حصے)، اکٹھے یا الگ الگ، بلا کسر نکل سکیں۔ ایسے عدد کو اصل، اصل مسئلہ یا مخرج الفروض بھی کہتے ہیں۔ علم حساب میں ایسے عدد کو ذواضعاف اقل کہا جاتا ہے۔

قرآن مجید کے بیان کردہ چھ فروض (حصوں) کو باہمی نسبت اور ضبط قواعد کے لحاظ سے ۲ انواع میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ہر ایک کا اصل اور مثال درج ذیل ہے:

نوع اول		نوع ثانی	
فرض (حصہ)	اصل	فرض (حصہ)	اصل
نصف ۱/۲	۲	ثلثان ۲/۳	۳
ربع ۱/۴	۴	ثلث ۱/۳	۳
ثمان ۱/۸	۸	سدس ۱/۶	۶

اس نقشے پر غور کرنے سے دو باتیں سامنے آتی ہیں:

اول یہ کہ ہر نوع میں اوپر کا فرض نیچے کا دو گنا ہے اور نیچے کا فرض اوپر کا نصف (آدھا) ہے۔

دوم یہ کہ بڑے فرض کا اصل چھوٹا عدد ہے، اور چھوٹے فرض (حصے) کا اصل بڑا عدد ہے۔ مثلاً سب سے بڑا "فرض" (حصہ) ثلثان ۲/۳ ہے، اس کا اصل تین ہے اور سب سے

چھوٹا "فرض" (حصہ) ثمن $1/8$ اس کا اصل ۸ ہے۔ مذکورہ چھ فرض (حصوں) کا اصل معلوم کرنے کے پانچ قاعدے ہیں:

قاعدہ ۱

جب کسی ایک فرض کا اصل مطلوب ہو تو نصف کا اصل دو اور باقی سب کا اصل اس کے نام کا مشابہ عدد ہوتا ہے۔ مثلاً:

۱۔ ربع $1/4$ کا اصل اربعة یعنی چار (۴)

۲۔ ثمن $1/8$ کا اصل ثمانية یعنی آٹھ (۸)

۳۔ ثلثان $2/3$ اور ثلث $1/3$ کا اصل ثلاثة یعنی تین (۳)

۴۔ سدس $1/6$ کا اصل چھ (۶)

مثال کے طور پر اگر کسی مسئلے میں وراثت ایک بیٹا اور شوہر ہوں تو اصل مسئلہ چار سے ہوگا۔ اس لیے کہ اولاد موجود ہونے کی وجہ سے شوہر ربع $1/4$ کا مستحق ہے۔ چوتھا حصہ (یعنی ایک) اسے ملے گا، باقی بیٹے کی طرف منتقل ہوگا۔ علیٰ هذا القیاس۔

قاعدہ ۲

جب کسی ایک ہی نوع کے دو یا زیادہ فرض کا مشترک اصل مطلوب ہو تو ان میں چھوٹے فرض (حصے) کا اصل سب کا اصل ہوگا۔ اس لیے کہ وہ بڑا عدد ہوگا جس سے سارے حصے نکل سکیں گے۔ جیسے: اگر کسی مسئلے میں نصف $1/2$ اور ربع $1/4$ ہوں تو ان کا اصل چار ہوگا۔ اس لیے کہ چار سے نصف $1/2$ بھی بلا کسر نکل سکتا ہے اور ربع $1/4$ بھی۔

اصل مسئلہ ۴		
۱	۱/۴	بیوی
۲	۱/۲	بہن
۱	عصبہ / باقی	چچا

اگر کسی مسئلے میں نصف (۱/۲) اور ثمن (۱/۸) ہوں تو اس کا اصل ۸ ہوگا۔

اصل مسئلہ ۸			
بیوی	۱/۸	۱	یہاں بقیہ تین حصے بھی دوبارہ بیٹی کو دے دیے جائیں گے
بیٹی	۱/۲	۳+۴	

اگر کسی میں ثلثان (۲/۳) اور ثلث (۱/۳) موجود ہوں تو اصل مسئلہ تین ہوگا۔

اصل مسئلہ ۳		
۲	۲/۳	۲ سگی بہنیں
۱	۱/۳	۲ سوتیلی (ماں کی طرف سے) بہنیں

اگر کسی مسئلے میں ثلثان (۲/۳) اور سدس (۱/۶) ہوں تو اصل مسئلہ چھ ہوگا۔

اصل مسئلہ ۶		
۱	۱/۶	ماں
۴	۲/۳	۲ بیٹیاں یا ۲ سگی بہنیں
۱	عصبہ	باپ شریک بھائی

اگر کسی مسئلے میں ثلث (۱/۳) اور سدس (۱/۶) ہوں تو اس صورت میں بھی اصل مسئلہ

چھ ہوگا۔

اصل مسئلہ ۶		
۱	۱/۶	ماں
۲	۱/۳	۲ ماں شریک بھائی بہن
۳	عصبہ	چچا

اصل مسئلہ ۶		
۲	۱/۳	ماں
۱	۱/۶	ایک ماں شریک بھائی
۳	عصبہ	سگا بھائی

قاعدہ ۳

جب نوع اول میں سے نصف ۱/۲ نوع ثانی کے تمام یا کچھ فروض کے ساتھ ہو تو اصل

مسئلہ چھ ہو گا۔

اصل مسئلہ ۶		
۳	۱/۲	سگی بہن
۲	۱/۳	۲ ماں شریک بھائی بہن
۱	۱/۶	باپ شریک بہن
-		چچا

اصل مسئلہ ۶		
۳	۱/۲	بیٹی
۱	۱/۶	ماں
۲	باقی	بھائی

قاعدہ ۴

جب نوع اول میں سے ثمن ۱/۸ نوع ثانی کے تمام یا بعض حصوں کے ساتھ ہو تو

اصل مسئلہ ۲۴ ہو گا۔

اصل مسئلہ ۱۲		
۳	۱/۴	شوہر
۳ = ۱ + ۲	۱/۶ + عصبہ	باپ
	۱/۲	بیٹی

اصل مسئلہ ۱۲		
۳	۱/۴	بیوی
۲	۱/۶	ماں
۴	۱/۳	۲ ماں شریک بہن بھائی
۳	عصبہ	سگا بھائی

قاعدہ ۵

جب نوع اول میں سے ثمن $1/8$ نوع ثانی کے تمام یا بعض حصوں کے ساتھ ہو تو

اصل مسئلہ ۲۴ ہوگا۔

اصل مسئلہ ۲۴		
۳	$1/8$	بیوی
۱۷	عصبہ	بیٹا
۴	$1/6$	باپ
-	محبوب	پوتا

اصل مسئلہ ۲۴		
۳	$1/8$	بیوی
۱۲	$1/2$	بیٹی
۴	$1/6$	ماں
$= 1 + ۴$	$+ 1/6$	باپ
۵	عصبہ	
-	محبوب	بھائی

دُرثا اگر صرف عصبات ہوں تو ان کا مسئلہ ان کی تعداد کے مطابق ہوگا۔ اگر وہ مذکور

مؤنث دونوں ہوں تو ہر مذکور کے دو حصے شمار ہوں گے (للذکر مثل حظ الأنثیین)۔

اصل مسئلہ ۶		
-	۴	۲ سگے بھائی
-	۲	۲ سگی بہنیں

اصل مسئلہ ۳		
۲	عصبہ	ایک بیٹا
۱	عصبہ	ایک بیٹی
-	محبوب	بھائی

عول

DOCTRINE OF INCREASE

عول کا لغوی معنی مائل ہونا، بلند ہونا، زیادہ ہونا وغیرہ ہے۔

اصطلاحی معنی

عول کا اصطلاحی معنی یہ ہے کہ وراثت کے حصوں کے مطابق اصل مسئلے کا عدد بڑھا دیا جائے۔ کبھی یہ مشکل پیش آتی ہے کہ قواعد کے لحاظ سے تو اصل مسئلہ صحیح ہے، مگر مستحقین کے تمام حصے اس سے برآمد نہیں ہوتے، یعنی حصوں کی تعداد بڑھ جاتی اور اصل مسئلہ کم پڑ جاتا ہے۔ اس کا حل یہ ہے کہ زائد حصوں کے مطابق اصل مسئلے کا عدد بڑھا دیا جاتا ہے۔ اس طرح اصل مسئلے کا عدد بڑھانے سے ہر ذی فرض (وارث) کے حصے میں متناسب کمی ہو جاتی ہے۔

مثال کے طور پر ثلثان $2/3$ ، ثلث $1/3$ اور سدس $1/6$ کسی مسئلے میں جمع ہوں تو قاعدے کے لحاظ سے اصل مسئلہ چھ ہے، مگر اس سے یہ تمام حصے پورے پورے برآمد نہیں ہوتے (ایک حصہ کم پڑ جاتا ہے)، اس لیے اس صورت میں اصل مسئلہ ۶ کو بڑھا کر (حصوں کی تعداد کے مطابق) ۷ کرنا پڑتا ہے اور ہر وارث کے حصے میں اسی نسبت سے کمی کرنا پڑتی ہے، ایسے مسئلے کو "عائلہ" (عول والا مسئلہ) کہا جاتا ہے، صورتِ مسئلہ یہ ہے:

اصل مسئلہ ۶ - عول ۷			
موجودہ مقدار $4/7$	اصل مقدار $4/6$	حصہ $2/3$	۲ سگی بہنیں
موجودہ مقدار $2/7$	اصل مقدار $2/6$	حصہ $1/3$	۲ ماں شریک بہنیں
موجودہ مقدار $1/7$	اصل مقدار $1/6$	حصہ $1/6$	ماں

عمول کی ابتدا

ایسا مسئلہ جس میں عمول کی صورت تھی، سب سے پہلے حضرت عمرؓ کے دور میں پیش آیا تھا۔ آپ نے صحابہ (مختلف روایات کے مطابق حضرت عباسؓ، حضرت علیؓ یا حضرت زید بن ثابتؓ) کے مشورے سے عمول کا طریقہ اختیار کرنے کا فیصلہ کیا۔ البتہ حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد حضرت ابن عباسؓ نے اس سے اختلاف کیا۔*

عمول کی صورتیں اور طریقہ

گزشتہ باب میں معلوم ہو چکا ہے کہ قرآن کریم کے بیان کردہ چھ فروض (حصوں) کے اصل مسئلے کی بنیادی تعداد سات ہے: ۲، ۳، ۴، ۶، ۸، ۱۲، ۲۴۔

ان میں سے عمول صرف تین: ۶، ۱۲، ۲۴ میں واقع ہوتا ہے۔ اس طرح کہ:

• اصل مسئلہ ۶ ہو تو اس کے چار عمول ہو سکتے ہیں: ۷، ۸، ۹، ۱۰

• اصل مسئلہ ۱۲ ہو تو اس کے تین عمول ہو سکتے ہیں: ۱۳، ۱۵، ۱۷

• اصل مسئلہ ۲۴ ہو تو اس کا صرف ایک عمول ہو سکتا ہے: ۲۷

عمول کا طریقہ یہ ہے کہ ذوی الفروض وراثت کے حصوں کو جمع کیا جائے۔ چونکہ شمار کنندہ (کسر کے اوپر کا عدد) نسب نما (کسر کے نیچے کا عدد) سے بڑھ جاتا ہے، لہذا تمام وارثوں کا حصہ متناسب طور پر کم کرنے کے لیے نسب نما کو شمار کنندہ کے برابر کر دیا جاتا ہے۔

مثال ۱: اصل مسئلہ ۶، عمول ۷

$$۲/۶ = ۲/۳ \text{ سگی بہنیں}$$

$$۲/۶ = ۱/۳ \text{ ماں شریک بہنیں}$$

$$۱/۶ = ۱/۶ \text{ ماں}$$

* المبسوط ۲۹: ۱۶۱، ۱۶۲؛ العذب الفاضل ۱: ۱۶۵

نسب نما (۶) کو شمار کنندہ (۷) کے برابر لانے سے $۷/۶$ کی کسر $۷/۷$ ہو گئی۔

اب ان ورثا کے حصے یوں ہو گئے:

۲ سگی بہنیں ($۴/۶$ کے بجائے) $۴/۷$

۲ ماں شریک بہنیں ($۲/۶$ کے بجائے) $۲/۷$

ماں ($۱/۶$ کے بجائے) $۱/۷$

مثال ۲: اصل مسئلہ ۱۲، عول ۱۵

شوہر $۳/۱۲ = ۱/۴$

۲ بیٹیاں $۸/۱۲ = ۲/۳$

ماں $۲/۱۲ = ۱/۶$

باپ $۲/۱۲ = ۱/۶$

نسب نما (۱۲) کو شمار کنندہ (۱۵) کے برابر کرنے سے $۱۵/۱۲$ کی کسر $۱۵/۱۵$ ہو گئی۔

اب ان وارثوں کے حصے یوں ہوں گے:

شوہر: ($۳/۱۲$ کے بجائے) $۳/۱۵$

۲ بیٹیاں: ($۸/۱۲$ کے بجائے) $۸/۱۵$

ماں: ($۲/۱۲$ کے بجائے) $۲/۱۵$

باپ: ($۲/۱۲$ کے بجائے) $۲/۱۵$

چند مزید مثالیں

اصل مسئلہ ۶ - عول ۸			
شوہر	$۱/۲$	$۳/۶$	موجودہ $۳/۸$
۲ سگی بہنیں	$۲/۳$	$۴/۶$	موجودہ $۴/۸$
۱ ماں شریک بہن یا بھائی	$۱/۶$	$۱/۶$	موجودہ $۱/۸$
کل حصے ۸			

اصل مسئلہ ۶ - عول ۷			
شوہر	$۱/۲$	$۳/۶$	موجودہ $۳/۷$
۲ سگی بہنیں	$۲/۳$	$۴/۶$	موجودہ $۴/۷$
کل حصے ۷			

اصل مسئلہ ۶ - عول ۱۰			
شوہر	۱/۲	۳/۶	موجودہ ۳/۱۰
ماں	۱/۶	۱/۶	موجودہ ۱/۱۰
۲ سگی بہنیں	۲/۳	۴/۶	موجودہ ۴/۱۰
۲ ماں شریک بہن بھائی	۱/۳	۲/۶	موجودہ ۲/۱۰
کل حصے ۱۰			

اصل مسئلہ ۶ - عول ۹			
شوہر	۱/۲	۳/۶	موجودہ ۳/۹
۲ سگی بہنیں	۲/۳	۴/۶	موجودہ ۴/۹
۲ ماں شریک بہن بھائی	۱/۳	۲/۶	موجودہ ۲/۹
کل حصے ۹			

اصل مسئلہ ۱۲ - عول ۱۵			
شوہر	۱/۴	۳/۱۲	۳/۱۵
۲ بیٹیاں	۲/۳	۸/۱۲	۸/۱۵
ماں	۱/۶	۲/۱۲	۲/۱۵
باپ	۱/۶	۲/۱۲	۲/۱۵
کل حصے ۱۵			

اصل مسئلہ ۱۲ - عول ۱۳			
بیوی	۱/۴	۳/۱۲	موجودہ ۳/۱۳
ماں	۱/۶	۲/۱۲	موجودہ ۲/۱۳
۲ سگی بہنیں	۲/۳	۸/۱۲	موجودہ ۸/۱۳
کل حصے ۱۳			

اصل مسئلہ ۲۴ - عول ۲۷			
بیوی	۱/۸	۳/۲۴	۳/۲۷
ماں	۱/۶	۴/۲۴	۴/۲۷
باپ	۱/۶	۴/۲۴	۴/۲۷
۲ بیٹیاں	۲/۳	۱۶/۲۴	۱۶/۲۷
کل حصے ۲۷			

اصل مسئلہ ۱۲ - عول ۱۷		
بیوی	۱/۴	۳
دادی	۱/۶	۲
۲ باپ شریک بہنیں	۲/۳	۸
۲ ماں شریک بہن بھائی	۱/۳	۴
کل حصے ۱۷		

رُذ (دوبارہ دینا)

DOCTRINE OF RETURN

معنی و مفہوم

جب ترکہ کے مستحقین صرف ذوی الفروض ہوں، ان کے ساتھ کوئی عصبہ موجود نہ ہو تو ایسی صورت میں بعض اوقات ذوی الفروض کو ان کے مقررہ حصے دینے کے بعد ترکہ میں سے کچھ حصے بچ جاتے ہیں جنہیں دوبارہ ذوی الفروض میں (سوائے شوہر یا بیوی کے) ان کے مقررہ حصوں کے مطابق تقسیم کرنا ہوتا ہے، اصطلاح میں اسے رُذ کہتے ہیں۔

یہ عول کی ضد ہے۔ اس لیے کہ عول میں مستحقین کی تعداد زیادہ ہونے کی وجہ سے حصوں کی تعداد بڑھ جاتی ہے، ان کے مطابق اصل مسئلے کا عدد بڑھانا پڑتا ہے جس سے ہر حصہ فی نفسہ کم ہو جاتا ہے (جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا)۔ جبکہ یہاں مستحقین کے کم ہونے کی وجہ سے حصوں کی تعداد کم کرنی پڑتی ہے، ان کے مطابق اصل مسئلے کا عدد کم کرنا پڑتا ہے جس سے ہر حصے کی مقدار بڑھ جاتی ہے۔

یہ رُذ چونکہ ذوی الفروض نسبت پر ہوتا ہے اس لیے انہیں مَن رُذ علیہ (جس کو بچا ہوا ترکہ دیا جاتا ہے) کہتے ہیں۔ ذوی الفروض سبب (میاں بیوی) پر چونکہ رد نہیں ہوتا اس لیے انہیں مَن لِرُذ علیہ (جس کو بچے ہوئے ترکہ میں سے حصہ نہیں دیا جاتا) کہتے ہیں۔

رُذ کی صورتیں

رُذ کے مسائل میں رُذ ناچار صورتوں میں سامنے آئیں گے:

• مسئلے میں صرف ذوی الفروض نسبت ہوں، اور وہ ایک ہی صنف کے ہوں۔

- مسئلے میں صرف ذوی الفروض نسبتیہ ہوں، مگر مختلف اصناف کے ہوں۔
- ذوی الفروض نسبتیہ صرف ایک صنف کے ہوں اور ان کے ساتھ میاں بیوی میں سے بھی کوئی موجود ہو۔
- ذوی الفروض نسبتیہ کی مختلف اصناف ہوں اور ان کے ساتھ میاں بیوی میں سے بھی کوئی موجود ہو۔

رڈ کے قواعد

ان چار صورتوں کے لیے الگ الگ چار قواعد مقرر ہیں، جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

قاعدہ ۱

جب کسی مسئلے میں ذوی الفروض نسبتیہ مَن یُرَدّ علیہ صرف ایک ہی صنف کے ہوں یعنی ایک ہی نام کے ہوں یا ان کے حصے ایک ہی طرح کے ہوں تو اس صورت میں باقی ماندہ ترکہ کاردان کی تعداد کے مطابق ہوگا۔ مثال کے طور پر اگر تین بیٹیاں ہوں تو اصل مسئلہ ان کی تعداد کے لحاظ سے ۳ ہوگا۔ اسی طرح اگر پانچ بہنیں ہوں تو اصل مسئلہ ۵ ہوگا۔ یا اگر وراثا دادی اور سوتیلی (ماں شریک) بہن ہوں تو اصل مسئلہ ۲ ہوگا۔ اس لیے کہ دونوں کے حصے ایک جیسے ہیں (یعنی ۱/۶، ۱/۶)۔

قاعدہ ۲

جب کسی مسئلے میں ذوی الفروض نسبتیہ مَن یُرَدّ علیہ مختلف اصناف کے ہوں تو اس صورت میں باقی ماندہ ترکہ کاردان کے مقررہ حصوں کے مطابق ہوگا۔ مثال:

اصل مسئلہ ۶۔ رڈ ۳		
۲ ماں شریک بھائی	اصل حصہ ۱/۳	موجودہ حصہ ۲ (۲/۳)
ماں	اصل حصہ ۱/۶	موجودہ حصہ ۱ (۱/۳)

اس مثال میں حصے ثلث $۱/۳$ اور سدس $۱/۶$ ہیں۔ اس لیے اصل مسئلہ (ان کے حصوں کا ذو اضعاف اقل) ۶ ہوگا، جس میں سے ۲ حصے ماں شریک بھائی کے ہوں گے اور ایک حصہ ماں کا۔ مجموعی تعداد ۳ ہوئی، اس لیے رد بھی ۳ کی طرف ہوا، اور تین ہی اب اصل مسئلہ قرار پایا۔ اس طرح دُرثا کے حصوں کے مطابق ان میں اضافہ ہوا۔ اب بھائیوں کو $۱/۳$ کے بجائے $۲/۳$ اور ماں کو $۱/۶$ کے بجائے $۱/۳$ ملے گا۔

اس قاعدے میں رد چونکہ حصوں کے تناسب سے ہوتا ہے، اس لیے درج ذیل فروض (حصوں) کے رد کی تفصیل اس طرح ہے:

۱۔ جب کسی مسئلے میں صرف سدس $۱/۶$ ہوں تو اصل مسئلہ ۶ اور رد ۲ ہوگا۔
 ۲۔ جب کسی مسئلے میں ثلث $۱/۳$ اور سدس $۱/۶$ جمع ہوں تو اصل مسئلہ ۶ اور رد ۳ ہوگا۔

۳۔ جب کسی مسئلے میں نصف $۱/۲$ اور سدس $۱/۶$ ہوں تو اصل مسئلہ ۶ اور رد ۴ ہوگا۔
 ۴۔ جب ثلثان $۲/۳$ اور سدس $۱/۶$ یا
 ۵۔ نصف $۱/۲$ اور دو سدس $۱/۶$ یا

۶۔ نصف $۱/۲$ اور ثلث $۱/۳$ جمع ہوں تو اصل مسئلہ ۶ اور رد ۵ ہوگا۔

قاعدہ ۳

جب کسی مسئلے میں ذوی الفروض نسبتیہ مَن یُرَدّ علیہ کی صرف ایک صنف ہو، اور اس کے ساتھ میاں بیوی میں سے بھی کوئی موجود ہو تو اس صورت میں رد (باقی ماندہ ترکے کی دوبارہ تقسیم) شوہر یا بیوی کے الگ مسئلے کے مطابق ہوگا۔ یعنی پہلے شوہر یا بیوی میں سے جو موجود ہو اس کے حصے کے لحاظ سے انفرادی طور پر اس کا مسئلہ بنا کر اس سے اس کو حصہ دے دیا جائے، پھر باقی ماندہ حصوں کو باقی اصحاب الفروض (نسبیہ) پر تقسیم کیا جائے۔ جیسے اگر

مسئلے میں شوہر اور دو یا زیادہ بیٹیاں ہو تو اصل مسئلہ شوہر کے حصے ربع $۱/۴$ کے مطابق چار سے ہو گا۔ چوتھا حصہ شوہر کو دے کر بقیہ تین حصے بیٹیوں میں برابر تقسیم ہوں گے۔

اس طرح اگر ورثا بیوی اور دو یا زیادہ بیٹیاں ہوں تو اصل مسئلہ بیوی کے حصے $۱/۸$ کے مطابق ۸ سے ہو گا۔ ایک حصہ بیوی کو دے کر بقیہ (۷) حصے بیٹیوں میں برابر تقسیم ہوں گے۔

قاعدہ ۴

جب کسی مسئلے میں ذوی الفروض نسبتیہ مَن یُرَدّ علیہ مختلف اصناف کے ہوں اور ان کے ساتھ میاں بیوی میں سے بھی کوئی موجود ہو تو اس صورت میں دو مسئلے الگ الگ طور پر حل کئے جائیں گے، ایک مسئلے میں صرف شوہر یا بیوی ہوں گے، اور دوسرے مسئلے میں ان کے علاوہ باقی ورثا ہوں گے۔ یہ قاعدہ چونکہ قاعدہ نمبر ۲ اور قاعدہ نمبر ۳ کا مجموعہ ہے، اس لیے پہلے قاعدہ نمبر ۲ کے مطابق رد کیا جائے، پھر قاعدہ نمبر ۳ کے مطابق باقی ماندہ ترکہ کو ذوی الفروض نسبتیہ پر تقسیم کیا جائے۔

مثال ۱

ورثا: بیوی۔ دادی/نانی۔ ۲ ماں شریک بھائی

اصل مسئلہ ۶۔ رد ۳		
دادی	اصل حصہ $۱/۶$	موجودہ حصہ $۱(۱/۳)$
۲ ماں شریک بہن بھائی	اصل حصہ $۱/۳$	موجودہ حصہ $۲(۲/۳)$

دوسرا مسئلہ

اصل مسئلہ ۴		
بیوی	$۱/۴$	۱
دادی	$۱/۶$	۱
۲ ماں شریک بہن بھائی	$۱/۳$	۲

پہلا مسئلہ ۶ سے ہے جسے ۳ میں رڈ کیا گیا ہے۔ دوسرے مسئلے کا اصل ۴ ہے جو بیوی کے حصے ربح $1/3$ سے ماخوذ ہے۔ دونوں مسئلوں کا تقابل کرنے سے معلوم ہوا کہ پہلے مسئلے میں دادی اور بہنوں کا مجموعی حصہ ۳ ہے۔ دوسرے مسئلے میں بیوی کا اصل مسئلہ ۴ میں سے ایک حصہ دے دیا گیا جس کے بعد ۳ باقی رہ جاتے ہیں جو پہلے مسئلے کے مطابق دادی اور سوتیلی بہن بھائی کا حصہ ہیں۔ یہاں حصے پورے پورے بلا کسر و رثا پر تقسیم ہو جاتے ہیں۔ اس لیے اب دوسرے مسئلے کے اصل (یعنی چار) ہی کو اصل مسئلہ قرار دے کر تمام ورثا کو اس میں سے حصے دیے گئے۔ بیوی کو صرف اس کا مقررہ حصہ ملا، جبکہ ذوی الفروض نسبتاً کو ان کے مقررہ حصوں کے علاوہ باقی ماندہ ترکے میں سے بھی حصہ دیا گیا۔

مثال ۲

ورثا: بیوی - ۲ بیٹیاں - ماں

اصل مسئلہ ۶- رڈ ۵		
۲ بیٹیاں	اصل حصہ $2/3$	موجودہ حصہ $4/5$
ماں	اصل حصہ $1/6$	موجودہ حصہ $1/5$

دوسرا مسئلہ بعد از رڈ

$8 \times 5 = 40$		
بیوی $1/8$	$1/8$	$5/40$
۲ بیٹیاں $2/3$	$4 \times 4 = 28$	$28/40$
ماں $1/6$	$1 \times 4 = 4$	$4/40$

اس مثال میں ثمن $(1/8)$ ثلثان $(2/3)$ اور سدس $(1/6)$ کے جمع ہونے سے حسب قاعدہ اگر مسئلہ ۲۴ کیا جائے اور حصے تقسیم کیے جائیں تو ایک حصہ بچ جاتا ہے (دو بیٹیاں

۱۶، ماں ۴، بیوی ۳، کل ۲۳ حصے)۔ چنانچہ بیچ رہنے والے حصے کو بیوی کو چھوڑ کر باقی ورثا پر ان کے حصوں کے مطابق تقسیم کرنے کے لیے بیوی کے الگ مسئلے ۸ کو اصل مسئلہ بنا کر رد کیا گیا، اس میں سے ایک حصہ بیوی کو دے کر باقی ۷ حصے محفوظ کر لیے گئے۔ پھر باقی اصحاب الفروض کا الگ مسئلہ بنا کر دیکھا گیا تو وہ رد کے بعد ۵ ہے، جس میں سے چار حصے بیٹیوں کو اور ایک حصہ ماں کو دیا گیا۔

دوسرے مسئلے میں بیویوں سے باقی ماندہ ۷ حصے پہلے مسئلے کے مجموعہ 'حصص ۵ پر بلا کسر تقسیم نہیں ہوتے۔ اس کسر کو دور کرنے کے لیے مجموعہ 'حصص ۵ کو بیوی کے الگ مسئلے (یعنی ۸) سے ضرب دی گئی تو حاصل ضرب چالیس ہے ($۴۰ = ۵ \times ۸$)۔ اس کو ورثا کی ہر صنف پر اس طرح تقسیم کیا گیا کہ بیوی کے الگ مسئلے کے حصے (۱) کو باقی اصحاب الفروض کے الگ مسئلے ۵ سے ضرب دے کر پانچ حصے دیے گئے ($۵/۴۰$)، اور بیٹیوں کے چار حصوں کو بیوی کے مسئلے میں باقی ماندہ حصوں (۷) میں ضرب دے کر ۲۸ حصے کر دیے گئے ($۲۸ = ۴ \times ۷$)، اسی طرح ماں کے ایک حصے کو بھی (۷) سے ضرب دے کر سات حصے دیے گئے ($۷ = ۱ \times ۷$)۔

خلاصہ

رد (بقیہ ترکہ دوبارہ تقسیم کرنے) کا طریقہ یہ ہے کہ ذوی الفروض (ماسوائے خاوند اور بیوی) کے حصوں کو جمع کیا جائے۔ چونکہ شمار کنندہ (کسر کے اوپر کا عدد) نسب نما (کسر کے نیچے کے عدد) سے کم ہو جاتا ہے، لہذا تمام ورثا (ماسوائے خاوند اور بیوی) کا حصہ متناسب طور پر زیادہ کرنے کے لیے نسب نما شمار کنندہ کے برابر کر لیا جاتا ہے۔

مثال ۱:

$$\text{ماں: } 1/6 = 1/6$$

$$\text{بیٹی: } 5/6 = 3/6 = 1/2$$

$$\text{پوتی: } 1/6 = 1/6$$

نسب نما (۶) کو کم کر کے شمار کنندہ (۵) کے برابر کرنے سے $۵/۶$ کی کسر $۵/۵$ بن گئی۔ اب ان وارثوں کے حصے یوں ہو گئے:

ماں: $۱/۵$ ($۱/۶$ کے بجائے)

بیٹی: $۳/۵$ ($۳/۶$ کے بجائے)

پوتی: $۱/۵$ ($۱/۶$ کے بجائے)

مثال ۲:

بیوی: $۱/۸$

ماں: $۱/۶ = ۱/۶$

بیٹی: $۳/۶ = ۱/۲$ $۴/۶$

نسب نما (۶) کو شمار کنندہ (۴) کے برابر کرنے سے $۴/۶$ کی کسر $۴/۴$ بن گئی۔ اب ماں بیٹی کے حصوں کا باہمی تناسب یہ ہو گا:

ماں: $۱/۴$ ($۱/۶$ کے بجائے)

بیٹی: $۳/۴$ ($۳/۶$ کے بجائے)

ماں کا حصہ کل میں سے $۷/۸$ کا $۷/۳۲ = ۱/۴$

بیٹی کا حصہ کل میں سے $۷/۸$ کا $۲۱/۳۲ = ۳/۴$

بیوی کا حصہ کل میں سے: $۱/۸ = ۴/۳۲$

ذوی الارحام

DISTANT KINDRED

جب کسی میت کے رشتہ داروں میں ذوی الفروض نسبتیہ اور عصبات میں سے کوئی نہ ہو، تو ذوی الارحام وراثت پانے کے حق دار ہوتے ہیں۔ البتہ بیوی یا شوہر ایسے ذوی الفروض ہیں جن کی موجودگی ذوی الارحام کو محبوب نہیں کرتی۔ ان سے بچا ہوا کُل ترکہ ذوی الارحام کا حق ہوتا ہے۔

معنی و مفہوم

لغوی معنی کے لحاظ سے ذوی الارحام کا لفظ خون یا نسب میں شریک تمام رشتہ داروں کو شامل ہوتا ہے، مگر علم فرائض کی اصطلاح میں ایسے رشتہ دار مراد ہیں جو ذوی الفروض اور عصبات نہیں اور خود عورت ہیں یا کسی عورت کے ذریعے سے میت کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔ جیسے بیٹی اور پوتی کی اولاد یا بہن کی اولاد، جدِ فاسد (نانا، پر نانا)، جدہ فاسدہ (جو میت سے جدِ فاسد کے واسطے سے تعلق رکھتی ہو جیسے نانا کی ماں)، ماموں، خالہ اور پھوپھی وغیرہ۔

ذوی الارحام کے اصناف

عصبات کی طرح ذوی الارحام کے بھی درج ذیل چار اصناف ہیں اور اسی ترتیب سے وارث ہوتے ہیں:

صنف اول: جزء میت: میت کی وہ اولاد جو ذوی الفروض اور عصبات نہ ہو۔ ان کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ بیٹیوں کی اولاد ۲۔ پوتیوں کی اولاد

صنف دوم: اصل میت: میت کے باپ اور ماں سے اوپر کے رشتے والے جو ذوی الفروض یا عصباء نہ ہوں۔ اس کی بھی دو قسمیں ہیں:

۱۔ جدِ فاسد (نانا، پر نانا، باپ کے نانا، ماں کے دادا، نانا)

۲۔ جدہ فاسدہ: وہ عورت جو میت سے بواسطہ جدِ فاسد تعلق رکھتی ہو جیسے نانا کی ماں وغیرہ، ماں کی دادی پر دادی وغیرہ۔

صنف سوم: جزء اصلِ قریب: یعنی میت کے ماں باپ کی وہ اولاد جو ذوی الفروض یا عصباء نہ ہو۔ ان کی چار قسمیں ہیں:

۱۔ بھانجے بھانجیاں

۲۔ بھتیجیاں اور ان کی اولاد

۳۔ بھتیجیوں کی بیٹیاں

۴۔ اخیانی (ماں کی طرف سے) بھائی کی اولاد

صنف چہارم: جزء اصلِ بعید: یعنی میت کے دادا، دادی یا نانا، نانی کی وہ اولاد جو ذوی الارحام ہو۔ یہ کئی قسمیں ہیں:

۱۔ پھوپھی، اخیانی چچا اور ان کی اولاد

۲۔ خالہ، ماموں اور ان کی اولاد

۳۔ چچاؤں کی بیٹیاں اور ان کی اولاد

۴۔ ماں یا باپ کی پھوپھی، خالہ اور ماموں

۵۔ اجداد و جدات کی پھوپھی، خالہ اور ماموں، اوپر تک۔

ذوی الارحام اس وقت وارث ہوتے ہیں جب ذوی الفروض نسبتاً اور عصبیات میں سے (میاں بیوی کے سوا) کوئی بھی موجود نہ ہو۔ ترکہ میں ان کے حصے مقرر نہیں ہیں بلکہ عصباء کی طرح جس کو ترجیح حاصل ہوگی، وہ پورے ترکے کا مستحق ہوگا، باقی سب محروم ہوں گے۔

ذوی الارحام کے درمیان ترکے کی تقسیم

ذیل میں اختصار کے ساتھ ذوی الارحام کی ہر صنف میں ترکہ کی تقسیم کا حنفی نقطہ نظر کے مطابق ذکر کیا جاتا ہے۔

صنف اول میں ترکہ کی تقسیم

۱۔ اگر کسی مسئلے میں صرف صنف اول کے چند ذوی الارحام ہوں، تو ان میں سے جو درجہ کے لحاظ سے میت کے زیادہ قریب ہو، وہی وراثت کا مستحق ہوگا، باقی محروم ہوں گے۔ جیسے نواسی کے ساتھ پوتی کا بیٹا موجود ہو، تو یہ دونوں اگرچہ صنف اول کے ذوی الارحام میں سے ہیں، مگر نواسی درجے کے لحاظ سے زیادہ قریب ہے، لہذا ترکہ اس کو ملے گا، اور پوتی کا بیٹا محروم ہوگا۔

۲۔ اگر درجے میں برابر ہوں تو ان میں جو وارث (یعنی ذوی الفروض یا عصباء میں سے کسی) کی اولاد ہو وہی مستحق ہوگا، اور جو ذوی الارحام (میں سے کسی) کی اولاد ہو وہ محروم ہوگا۔ مثال کے طور پر پوتی کی بیٹی اور نواسی کا بیٹا موجود ہوں، تو پوتی (جو ذوی الفروض میں سے ہے) کی بیٹی کو وراثت ملے گی اور نواسی (جو ذوی الارحام میں سے ہے) کا بیٹا محروم رہے گا۔ اسی طرح اگر بھتیجے کی بیٹی اور بھتیجی کا بیٹا ہوں تو بھتیجے (جو عصبہ ہے) کی بیٹی کو ترکہ ملے گا اور بھتیجی (جو ذوی الارحام میں سے ہے) کا بیٹا محروم ہوگا۔

نوٹ: صنف اول میں ذوی الفروض کی اولاد اور عصبہ کی اولاد ایک ہی درجے میں نہیں پائی جاسکتی۔

۳۔ اگر درجہ اور حیثیت میں بھی یکساں ہوں (یعنی سب وارث کی اولاد ہوں یا سب ذی رحم کی اولاد ہوں) تو ان میں جو مذکر کی اولاد ہو گا وہ دو گنا حصہ پائے گا (چاہے وہ خود مذکر ہو یا مؤنث)۔ مثال کے طور پر ایک شخص نے نواسی کی بیٹی اور نواسی کا بیٹا چھوڑے ہوں تو ترکہ کے تین حصے ہو کر نواسی کی بیٹی کو دو حصے اور نواسی کے بیٹے کو ایک حصہ ملے گا۔

۴۔ اگر مذکر یا مؤنث اولاد ہونے میں بھی برابر ہوں تو ان میں ترکہ کی تقسیم للذکر مثل حظ الأنثیین (مرد کو عورت سے دو گنا حصہ) کے اصول پر ہوگی۔ جیسے کسی نے نو اسہ اور نو اسی چھوڑے ہوں تو ترکہ کے دو حصے نو اسہ اور ایک حصہ نو اسی کو ملے گا۔
صنف دوم میں ترکہ کی تقسیم

۱۔ میت کے جو زیادہ قریب ہو، اس صنف میں وہی مستحق ہوگا، بقیہ محروم ہوں گے۔ مثال کے طور پر ماں کا باپ اور ماں کا نانا موجود ہوں تو ماں کا باپ چونکہ زیادہ قریبی ہے، اس لیے ترکہ اسی کو ملے گا اور ماں کا نانا محروم ہوگا۔

۲۔ اگر درجے میں برابر ہوں تو جس کا رشتہ میت سے کسی وارث (ذوی الفروض یا عصبہ) کے ذریعے ہو وہی مستحق ہوگا، اور جس کا رشتہ ذوی الارحام میں سے کسی کے ذریعے ہو وہ محروم رہے گا۔ جیسے کسی نے اپنے پیچھے اپنی ماں کا نانا اور ماں کا دادا چھوڑے ہوں تو ماں کا نانا مستحق ہوگا (اس لیے کہ وہ میت کی نانی کا باپ ہے اور نانی جدہ صحیحہ ہونے کے ناطے ذوی الفروض ہے) اور ماں کا دادا محروم ہوگا اس لیے کہ وہ میت کے نانا کا باپ ہے جو کہ جدِ فاسد (ہونے کی وجہ سے ذوی الارحام میں سے) ہے۔

صنف سوم میں ترکہ کی تقسیم

۱۔ اس صنف میں میت سے جو زیادہ قریب ہو وہی مستحق ہوگا، بقیہ محروم ہوں گے۔ مثلاً کسی نے بھتیجی کا بیٹا اور بھانجے چھوڑے ہوں تو ترکہ بھانجی کو ملے گا اس لیے کہ وہ زیادہ قریب ہے۔

۲۔ اگر درجے میں برابر ہوں تو وارث کی اولاد مستحق ہوگی اور ذی رحم کی اولاد محروم رہے گی۔ مثلاً کسی شخص نے بھتیجے کی بیٹی اور بھانجی کا بیٹا چھوڑا ہو تو ترکہ بھتیجے کی بیٹی کو ملے گا۔ اس لیے کہ وہ عصبہ کی اولاد ہے اور بھانجی کا بیٹا محروم ہوگا، اس لیے کہ وہ ذوی الارحام کی اولاد ہے۔

۳۔ اگر درجے اور وارث کی اولاد ہونے میں یکساں ہو تو جس کی قرابت زیادہ مضبوط ہوگی اسے ترجیح ملے گی۔ مثلاً ایک شخص نے سگے بھائی کی پوتی، سوتیلے (باپ شریک) بھائی کی پوتی اور سوتیلے (ماں شریک) بھائی کی پوتی چھوڑی ہو تو ترکہ کی مستحق سگے بھائی کی پوتی ہوگی، اور باپ شریک بھائی کی پوتی کمزور قرابت کی وجہ سے اور ماں شریک بھائی کی پوتی وارث کی اولاد نہ ہونے کی بنا پر محروم ہوگی۔

صنف چہارم میں ترکہ کی تقسیم

صنف چہارم دو فریق ہیں: ابوی (باپ کی طرف سے) اور اموی (ماں کی طرف سے) فریق ابوی (دھیالی): جو میت کے باپ کی طرف سے تعلق رکھتے ہوں جیسے سگی پھوپھی، علاقائی پھوپھی، انخیانی پھوپھی اور انخیانی چچا۔

فریق اموی (نھیالی): جو میت کی ماں کی طرف سے تعلق رکھتے ہوں جیسے سگاماموں، خالہ اور علاقائی ماموں اور خالہ اور انخیانی ماموں اور خالہ۔

اس صنف میں پہلے مستحق یہی ہیں پھر ان کی اولاد۔ ان میں ترکہ کی تقسیم اس طرح ہوگی:

۱۔ اگر کسی ایک فریق کے متعدد افراد موجود ہوں تو قوت قرابت کو ترجیح ہوگی، یعنی عینی (سگے) کو علاقائی (باپ شریک) پر اور علاقائی کو انخیانی (ماں شریک) پر ترجیح دی جائے گی، خواہ مرد ہوں یا عورت۔

۲۔ مرد کو $\frac{2}{3}$ اور عورت کو $\frac{1}{3}$ حصہ ملے گا۔ مثلاً کسی نے پھوپھی اور انخیانی چچا چھوڑے ہوں تو انخیانی چچا کو $\frac{2}{3}$ اور پھوپھی کو $\frac{1}{3}$ حصہ ملے گا۔

۳۔ اگر دونوں فریق جمع ہوں تو کسی فریق کو دوسرے پر قوت قرابت کی بنا پر ترجیح نہ ہوگی، بلکہ دونوں بیک وقت مستحق ہوں گے۔ جیسے کسی شخص نے سگی خالہ اور علاقائی پھوپھی چھوڑی ہوں تو دونوں مستحق ہوں گی۔ البتہ باپ کی طرف سے قرابت رکھنے والوں کو $\frac{2}{3}$

اور ماں کی طرف سے قرابت رکھنے والوں کو $1/3$ حصہ ملے گا۔ مذکورہ مثال میں سگی خالہ کو $1/3$ اور علاتی پھوپھی کو $2/3$ دیا جائے گا۔

۴۔ اگر دونوں طرف (ابوی اور اموی) کے کئی افراد موجود ہوں تو پہلے ہر فریق کے حصے ($1/3$ اور $2/3$) الگ الگ کر لیے جائیں گے۔ پھر ان کے افراد پر تقسیم کر دیے جائیں گے۔
صنف چہارم کی اولاد میں ترکہ کی تقسیم

۱۔ کسی بھی طرف کی اولاد ہو تو زیادہ قریب والے کو ترجیح ہوگی۔ مثلاً کسی نے خالہ کا بیٹا اور پھوپھی کا پوتا چھوڑے ہوں تو خالہ کا بیٹا ترکہ کا مستحق ہوگا، اسی طرح اس کے برعکس۔
۲۔ درجے میں برابر ہوں تو قوی قرابت کو ترجیح ہوگی۔ مثلاً کسی نے سگی پھوپھی کی بیٹی اور اخیانی چچا کا بیٹا چھوڑے ہوں تو سگی پھوپھی کی بیٹی مستحق ہوگی۔

۳۔ درجہ اور قوت میں بھی برابر ہوں تو عصبہ کی اولاد کو ذوی الارحام کی اولاد پر ترجیح ہوگی۔ جیسے کسی نے عینی چچا کی بیٹی اور عینی پھوپھی کا بیٹا چھوڑے ہوں تو عینی (سگے) چچا (جو عصبہ ہے) کی بیٹی مستحق ہوگی، اور عینی پھوپھی (جو ذوی الارحام ہے) کا بیٹا محروم ہوگا۔

۴۔ اگر دونوں طرف (ابوی اور اموی) کی اولادیں جمع ہوں (اور درجے میں برابر ہوں) تو کوئی بھی کسی کو محروم نہیں کرے گا۔ البتہ باپ کی طرف والے کو $2/3$ دیا جائے گا۔ پھر ہر طرف میں اگر متعدد افراد موجود ہوں تو ان میں باہم، مضبوط قرابت پھر عصبہ کی اولاد ہونے کی ترجیح ملحوظ رہے گی۔

۵۔ اگر میت کے چچا، پھوپھیاں، خالائیں اور ان کی اولادیں نہ ہوں تو پھر وراثت کا یہی طریقہ میت کے والدین چچاؤں، پھوپھیوں، ماموں اور خالائوں میں اور پھر ان کی اولاد میں جاری ہوگا۔ اگر یہ بھی نہ ہوں تو پھر میت کے اجداد و جدات کے چچاؤں، پھوپھیوں، ماموں اور خالائوں میں اور پھر ان کی اولادوں میں جاری ہوگا۔

اہل التنزیل کا نقطہ نظر

حنفی اور حنبلی فقہاء کے برعکس متقدمین مالکی اور شافعی فقہاء ذوی الارحام کو وراثت میں حصہ دینے کے بجائے ذوی الفروض اور عصباء کی عدم موجودگی میں متوفی کا ترکہ بیت المال میں جمع کر دینے کی رائے رکھتے تھے، مگر جب بیت المال کے نظام میں اضمحلال آیا تو ان کے متاخرین فقہاء نے بھی ذوی الارحام کو وراثت میں حصہ دینے کا نقطہ نظر اختیار کر لیا۔ مالکی، شافعی اور حنبلی فقہاء ذوی الارحام کو حصے دینے میں ان کے اصول و آبا کو دیکھتے ہیں اور جو حصہ ان کے اصول (بڑوں) کو مل سکتا تھا، موجود فروع (اولاد) کو وہی حصہ دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر اگر کسی مسئلے میں "نواسی، بھانجی اور باپ شریک بھائی کی بیٹی" ہو تو ان کے نزدیک نواسی کو نصف (۱/۲) اور بھانجی کو باقی نصف دے دیا جائے گا، جبکہ سوتیلی بھتیجی محروم رہے گی۔ اس لیے کہ وہ زندہ ذوی الارحام کو نہیں، بلکہ ان کے اصول کو دیکھتے ہیں جو "بیٹی، سگی بہن اور باپ شریک بھائی" ہیں۔ ان میں وراثت جس طرح تقسیم ہوتی، ان کی اولاد کو بھی اسی طرح حصے دیے جائیں گے۔ تنزیل کا یہی مفہوم ہے، اسی لیے ان فقہاء کے نقطہ نظر کو مذهب اہل التنزیل کہا گیا ہے۔

اہل تنزیل ذوی الارحام میں اس طرح کی ترتیب قائم کر کے ان کو حصے نہیں دیتے جس طرح حنفی فقہاء (جو اہل القرابۃ کہلاتے ہیں) قائم کرتے ہیں۔ نیز اہل تنزیل کے نزدیک ترجیح کی بنیاد کسی ذی رحم کی میت کے ساتھ زیادہ قریبی قرابت ہوگی، چنانچہ جس ذی رحم کا میت کے ساتھ کسی ذی فرض یا عصبہ وارث کے ذریعے تعلق ہو، اسے ترجیح دی جائے گی۔ جبکہ حنفی فقہاء کے نزدیک ترجیح کی پہلی بنیاد درجہ کا قریب ہونا، پھر قرابت کا قوی ہونا ہے۔

تقسیم ترکہ کی خصوصی صورتیں*

۱۔ حمل (Child in the Womb)

جب کوئی وارث حمل کی صورت میں ہو تو ترکہ کی تقسیم کرنے سے پہلے اس کا انتظار کر لینا چاہیے، تاکہ حمل کا وارث یا ناوارث ہونا، نیز اس کی جنس مرد یا عورت ہونا واضح ہو جائے، اور اس کے مطابق موجودہ ورثا کی حیثیت بھی متعین ہو جائے۔

اگر ولادت کا انتظار نہ کیا جاسکے اور ولادت سے قبل ہی عارضی تقسیم مطلوب ہو تو موجودہ ورثا سے ضامن اور عہد لیا جائے کہ حمل سے اگر ایک سے زیادہ بچے پیدا ہو گئے تو وہ ان کے استحقاق کے مطابق حصہ واپس کر دیں گے۔ پھر حمل کو ایک بچہ پر فرض کر کے اس کے لیے ترکہ میں سے بہتر حصہ محفوظ کر لیا جائے، یعنی لڑکا فرض کرنے کی صورت میں اگر اس کو زیادہ حصہ ملتا ہو تو لڑکے کا حصہ محفوظ کر لیا جائے، اور اگر لڑکی فرض کرنے کی صورت میں اسے زیادہ حصہ ملتا ہو تو لڑکی کا حصہ محفوظ کر لیا جائے۔ پھر ولادت ہونے پر اگر وہ پورے محفوظ کردہ حصے کا مستحق ہو تو اس کو وہ حصہ دیا جائے، ورنہ اس کے استحقاق کے مطابق اسے حصہ دے کر بقیہ حصہ دیگر ورثا پر ان کے حصوں کے مطابق تقسیم کر دیا جائے۔

جو حمل ترکے کا مستحق ہو اس کی وجہ سے موجودہ ورثا کے درج ذیل تین حالات ہوں گے:

- ۱۔ بعض مکمل طور پر محروم ہوں گے
- ۲۔ بعض مجبوج بنقصان ہوں گے، یعنی ان کا حصہ کم ہو جائے گا۔
- ۳۔ بعض محفوظ ہوں گے، یعنی ان کے حصے میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔

* الموسوعة الفقهية ۳: ۶۳ وما بعد

حمل کی وراثت کے لیے شرائط

حمل کے وارث ہونے کے لیے دو شرائط کا پایا جانا ضروری ہے:

- ۱۔ حمل کا اکثر حصہ زندہ پیدا ہو۔ لہذا اگر کوئی بچہ مردہ پیدا ہو تو وہ وارث نہیں ہوگا۔ البتہ اگر (اسقاط کی صورت میں) رحم سے مار کر نکالا گیا تو وارث ہوگا۔
- ۲۔ موثر کی موت کے وقت استقرارِ حمل کا یقین ہو۔ یعنی (حمل موثر کا نہ ہونے کی صورت میں) اگر میاں بیوی کے درمیان نکاح کا رشتہ قائم ہو تو وہ موثر کی موت کے بعد چھ ماہ یا اس سے کم مدت میں پیدا ہو۔ اس لیے کہ تمام فقہاء کے نزدیک حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ ہے۔ اس لیے اگر وہ چھ ماہ سے زیادہ عرصے میں پیدا ہو تو وارث نہیں ہوگا۔ البتہ حمل اگر خود موثر کا ہے تو وہ حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت (دو سال) تک پیدا ہونے کی صورت میں بھی وارث ہوگا اگر اس کی والدہ نے عدت گزر جانے کا اقرار نہ کیا ہو۔

حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت دو سال کا ہونا حنفی فقہ کے مطابق ہے۔ ان کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول ہے کہ بچہ ماں کے رحم میں دو سال سے زیادہ نہیں رہتا۔ لہذا کسی شخص کی منکوحہ نے اگر نکاح کے بعد چھ ماہ گزرنے سے پہلے بچہ جنا تو اس کا نسب اس شخص سے ثابت نہ ہوگا، اور نہ ہی یہ اس کا وارث بنے گا۔ اسی طرح اگر شوہر کی وفات کے دو سال بعد اس کی بیوہ نے بچہ جنا تو میت سے اس کا نسب ثابت نہ ہوگا اور نہ ہی یہ اس کا وارث بنے گا۔ حنفی فقہاء نے بطور احتیاط حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت دو سال قرار دی ہے، مگر اس بارے میں تجربہ و عادت اور طب جدید کے ماہرین کی رائے ہی کا لحاظ رکھا جائے گا۔ ابن رشد نے بھی اسی بات کو ترجیح دی ہے۔^۱

۱۔ بدایۃ المجتہد، دارالسلام، قاہرہ ۱۹۹۵ء، کتاب الفرائض ۳: ۲۰۸۶

"اسلامی تنظیم برائے طبی علوم" کی تیسری کانفرنس منعقدہ ۱۹۸۷ء میں جو قرارداد منظور کی گئی، اس کے مطابق حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت ۲۸۰ دن یا بعض استثنائی حالات میں ۳۳۰ دن قرار دی گئی۔^۱

توضیحی مثالیں

اصل مسئلہ ۸		
۱	۱/۸	حاملہ بیوی
۷	عصبہ	بیٹا
	عصبہ	حمل (بیٹا)

اس مثال میں حمل کو اگر بیٹی فرض کیا جائے تو اس کو بیوی سے باقی ماندہ ترکہ کا ۱/۳ حصہ ملے گا۔ اور اگر بیٹا فرض کرتے ہیں تو اس کو باقی ماندہ کا ۱/۲ ملے گا۔ لہذا یہاں حمل کو بیٹا فرض کر کے اس کے لیے بہتر حصہ یعنی بیوی کو حصہ دے کر بچے رہنے والے ترکہ کا نصف ۱/۲ محفوظ رکھیں گے۔

اصل مسئلہ ۶ عول ۸		
۳	۱/۲	شوہر
۱	۱/۶	ماں (حاملہ)
۱	۱/۶	ماں شریک بھائی
۳	۱/۲	حمل (سگی بہن)

۲۔ مجلہ کلیۃ الشریعۃ والدراسات الإسلامیۃ، جامعہ کویت، شمارہ شعبان ۱۴۲۸ھ

اس مثال میں حمل کو اگر لڑکا (سگابھائی) فرض کریں تو وہ عصبہ ہونے کی وجہ سے باقی ماندہ $1/6$ کا مستحق ہوتا ہے۔ اور اگر لڑکی (سگی بہن) فرض کریں تو وہ اصحاب الفروض میں سے ہونے کی وجہ سے $1/2$ کی مستحق ہے۔ اور اس صورت میں چونکہ یہ مسئلہ 6 سے 8 کی طرف عول کرتا ہے، اس لیے آٹھ میں سے تین $3/8$ کی مستحق ہوگی۔ لہذا یہاں حمل کو سگی بہن فرض کرتے ہوئے اس کے لیے $3/8$ حصہ محفوظ رکھا جائے گا۔

اصل مسئلہ ۶، عول ۹		
شوہر	$1/2$	۳
ماں	$1/6$	۱
ماں شریک بہن بھائی	$1/3$	۲
حمل (باپ شریک بہن)	$1/2$	۳ محفوظ

اس مثال میں میت دیگر ورثا کے علاوہ سوتیلی ماں چھوڑ کر فوت ہوا ہے۔ سوتیلی ماں کو تو حصہ نہیں ملے گا، البتہ حمل کو اگر لڑکا (سوتیلا بھائی باپ کی طرف سے) فرض کیا جائے تو وہ عصبہ ہوگا اور حصے مکمل ہو جانے کی وجہ سے اس کے لیے کچھ نہیں بچتا، اس طرح وہ محروم رہے گا۔ جبکہ اگر اسے سوتیلی بہن (علاقی) فرض کیا جائے تو وہ $1/2$ کی مستحق بنتی ہے اور حصے زیادہ ہونے کی وجہ سے مسئلے میں عول آگیا، اس طرح اس کا حصہ $3/9$ بنتا ہے جو اس کے لیے محفوظ رہے گا۔

۶		۶	
۳	$1/2$ سگی بہن	۳	$1/2$ سگی بہن
۱	$1/6$ باپ شریک بہن	۱	$1/6$ باپ شریک بہن
۱	$1/6$ ماں (حاملہ)	۱	$1/6$ ماں (حاملہ)
۱	$1/6$ حمل (ماں شریک بہن)	۱	$1/6$ حمل (ماں شریک بھائی)

اس مثال میں حمل کو چاہے بچہ فرض کیا جائے یا بچی، دونوں صورتوں میں اس کا حصہ ایک ہی رہے گا۔

ماں شریک بھائی

بہو حاملہ

حمل (پوتا + پوتی) محفوظ

اس مثال میں میت کے ورثا ایک سوتیلا ماں شریک بھائی اور حمل ہے۔ حمل کو چاہے لڑکا فرض کیا جائے یا لڑکی، بہر صورت سوتیلا بھائی محروم رہے گا۔ اس لیے ایسی صورت میں پورا ترکہ وضع حمل تک محفوظ رکھا جائے گا۔

۲۔ خُنثی (Hermaphrodites)

خُنثی وہ شخص ہے جو زنانہ اور مردانہ دونوں اعضا رکھتا ہو۔ پھر اگر مردانہ عضو سے پیشاب کرے تو مرد کے حکم میں ہوگا، ورنہ عورت کے حکم میں ہوگا۔ اگر دونوں اعضا سے پیشاب کرتا ہو تو پھر جس عضو سے پیشاب پہلے خارج ہوا ہو اس کا اعتبار ہوگا۔

اگر دونوں اعضا سے بیک وقت پیشاب کرتا ہو، یا دونوں اعضا ہی نہ رکھتا ہو (صرف سوراخ ہو)، تو اسے خُنثی مشکل کہتے ہیں۔ بلوغت سے قبل اس کو مرد کہا جاسکتا ہے اور نہ عورت۔ پھر بلوغت کے بعد اگر مردانہ علامات ظاہر ہو جائیں، تو وہ مرد کے حکم میں ہوگا اور اگر زنانہ علامات ظاہر ہوں تو عورت کے حکم میں ہوگا۔ لہذا دونوں صورتوں میں اب یہ خُنثی مشکل نہ رہا۔

میراث پانے میں خُنثی مشکل کا حکم یہ ہے کہ اگر اس کو عورت قرار دینے کی صورت میں حصہ کم ملتا ہو تو اسے عورت قرار دیں گے اور اگر مرد قرار دینے میں اس کو حصہ کم ملتا ہے تو اسے مرد قرار دیں گے، بہر حال کم تر حصہ اس کو ملے گا۔

نوٹ: خُنثی مشکل کو کم تر حصہ اس لیے دیا جاتا ہے کہ زیادہ حصہ مقرر کرنا شک کی بات تھی اور کم حصہ یقینی ہے، دوسرے شاید اس میں معاشی حکمت یہ ہو کہ خُنثی مشکل کو اولاد نہیں ہو سکتی، لہذا ترکہ کو دیگر وارثوں پر صرف کرنا بہتر ہے۔

توضیحی مثالیں

وارث	کل حصے ۴
بیٹا	۲
بیٹی	۱
خُنثی	۱

اس مثال میں اگر خُنثی کو بیٹا قرار دیں تو ورثا میں دو بیٹے اور ایک بیٹی ہوں گے اور خُنثی کو بیٹی کا دو گنا ملے گا۔ اگر اس کو بیٹی قرار دیں تو ایک بیٹا اور دو بیٹی ہوں گے اور خُنثی کو بیٹے کا $1/2$ ملے گا۔ اس لیے اسے بیٹی قرار دیں گے اور ترکہ $1:2$ کے حساب سے تقسیم ہوگا۔

شوہر	$1/2$	۱
سگی بہن	$1/2$	۱
خُنثی (باپ شریک بھائی)	محروم	-

اس مثال میں خُنثی کے لیے عورت (باپ شریک بہن) ہونا بہتر تھا، کہ اس صورت میں اسے $1/6$ ملتا۔ مگر ہم نے اسے باپ شریک بھائی (عصبہ) فرض کر کے محروم رکھا۔ کیونکہ ذوی الفروض سے اس کے لیے کچھ نہ بچا۔

۳۔ مفقود الخیر (Missing Person)

جو شخص غائب ہو جائے اور کسی طرح یہ معلوم نہ ہو سکے کہ وہ زندہ بھی ہے یا نہیں، اس کو مفقود کہتے ہیں۔ وراثت کے سلسلے میں اس کی دو حالتیں ہیں:

اول یہ کہ کوئی اس کا وارث بنے۔

دوم یہ کہ وہ کسی کا وارث بنے۔

پہلی حالت کا حکم یہ ہے کہ جب تک اس کی موت کا ثبوت نہ مل جائے یا عدالت اس کی موت کا فیصلہ نہ کر دے، یا اس کی عمر حنفی فقہ کے مطابق ۹۰ سال ہو جائے (مگر متاخرین نے مالکیہ کی رائے پر فتویٰ دیا ہے جس کے مطابق چار سال تک اس کا انتظار کیا جائے)، تو کوئی شخص نہ تو اس کے مال کا وارث بن سکتا ہے اور نہ ہی اس کی بیوی سے نکاح کر سکتا ہے۔ وہ اپنے مال اور بیوی کے بارے میں زندہ تصور کیا جائے گا۔ پھر جب اس کی موت کا ثبوت مل جائے یا عدالت اس کی موت کا فیصلہ کر دے تو اس وقت جو ورثا زندہ ہوں وہی مستحق ہوں گے، اور جو اس سے پہلے اس کی گمشدگی کے عرصے میں وفات پا چکے ہوں وہ مستحق نہ ہوں گے، اور اسی تاریخ سے اس کی بیوی چار ماہ دس دن کی عدتِ وفات پوری کرے گی۔

دوسری حالت (یعنی خود کسی کا وارث بنے) کا حکم یہ ہے کہ مفقود کا حصہ حمل کی طرح بطور امانت محفوظ کر لیا جائے، یعنی اس کو زندہ یا مردہ تصور کر کے جس تقسیم میں باقی ورثا کو کم حصہ ملتا ہو، اس کے مطابق ان کو حصے دے کر باقی ترکہ محفوظ رکھا جائے۔ پھر اگر وہ واپس آجائے یا اس کے زندہ ہونے کا ثبوت مل جائے تو اس تقسیم کے مطابق محفوظ شدہ حصے بانٹ دیے جائیں۔ اگر موت کا ثبوت مل جائے یا عدالت اس کی وفات کا فیصلہ جاری کر دے تو اس وقت مفقود کے جو ورثا زندہ موجود ہوں ان میں اس کا محفوظ شدہ مال تقسیم کر دیا جائے۔

۴۔ ولد الزنا (Illegitimate Child)

حنفی، مالکی اور شافعی فقہاء کے نزدیک ولد الزنا صرف اپنے ماں کی طرف سے وراثت کا حق دار ہوگا اور زنا کرنے والے مرد یا اس کے کسی رشتہ دار کے ترکہ سے کسی حصے کا حق دار نہیں ہوگا۔ اسی طرح ولد الزنا کے انتقال کی صورت میں اس کی ماں اور اس کے رشتہ دار اس کے ترکہ کے وارث ہوں گے۔

جعفری فقہ میں زنا کے نتیجے میں وجود میں آنے والا بچہ ماں سے بھی وراثت نہیں

پائے گا۔

احکام وراثت۔ جعفری نقطہ نظر

سنی مذاہب فقہ اور اہل تشیع (فقہ جعفری) کے مابین عصبات، حجب اور عول و رد کے بعض مسائل میں اختلاف ہے۔ ذیل میں اختصار کے ساتھ چند امور کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے:

• موائع ارث میں سے ایک دین کا اختلاف ہے، جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے کہ ائمہ اربعہ کے نزدیک نہ مسلمان کافر کا وارث ہو سکتا ہے اور نہ کافر کسی مسلمان کا وارث ہو سکتا ہے؛ لیکن جعفری فقہ کی رو سے مسلمان غیر مسلم کا وارث قرار پاتا ہے۔
قتل کے حوالے سے جعفری فقہ کی رائے مالکی فقہ کے مطابق ہے، جس کی تفصیل پہلے بیان کی جا چکی ہے:

• فقہ جعفری میں مرد و عورت وراثت کے حسب ذیل تین درجے بنائے گئے ہیں:

۱۔ ماں، باپ اور اولاد خواہ اس کا سلسلہ کتنا ہی نیچے جائے۔

۲۔ بھائی بہنیں (نیچے تک) دادا، دادی اور نانا، نانی اوپر تک۔

۳۔ چچا، پھوپھیاں، ماموں اور خالائیں اور ان کی اولاد۔

جعفری فقہ کے مطابق ان میں سے پہلا درجہ باقی درجوں کے لیے حاجب (محروم کنندہ) بنتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر کسی میت کے وارث بیٹی اور بھائی ہوں تو چونکہ بیٹی اوپر کے درجے کی ہے؛ اس لیے پورا ترکہ اسے دیا جائے گا، جبکہ بھائی وراثت سے محروم رہے گا۔

• اس سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ جعفری فقہ میں عصبہ کا تصور نہیں، یا محدود ہے۔

ذوی الفروض کو حصے دینے کے بعد اگر کچھ بچ رہے تو وہ قریبی صاحب فرض کو دیا جائے گا، چاہے وہ عورت ہو۔ اہل تشیع صحیح بخاری کی حضرت طاووس والی روایت: ألحقوا

الفرائض بأهلها، فما بقي فـلأولى رجل ذكر کو طاووس (راوی حدیث) کے ان کے ہاں ضعیف ہونے کی وجہ سے حجت نہیں مانتے۔

• عول کے حوالے سے بھی جعفری فقہ کا نقطہ نظر اہل سنت سے مختلف ہے۔ وہ عول کے قائل نہیں، بلکہ میاں بیوی اور ماں باپ کو ان کے پورے حصے دینے کے بعد جو بچتا ہو، وہ بیٹیوں اور بہنوں کو دے دیتے ہیں؛ اس طرح ان کے نزدیک کمی بیٹیوں اور بہنوں کے حصے میں آئے گی نہ کہ میاں بیوی اور ماں باپ کے حصوں میں؛ کیونکہ ان کے نزدیک ان مؤخر الذکر ورثا کے حصے قرآن مجید نے متعین کر رکھے ہیں۔

• اہل تشیع کے نزدیک بیٹی کا درجہ بیٹے جیسا ہے، چنانچہ وہ پوتوں پوتیوں اور ہر قسم کے بہن بھائیوں کو محبوب کر دیتی ہے۔

• جعفری فقہ کے مطابق ذوی الفروض کو حصے دینے کے بعد اگر کچھ بچ جائے تو تمام ذوی الفروض کو ان کے حصوں کے مطابق دوبارہ دیا جائے گا، اگر اس سے بالائی درجے کا وارث موجود نہ ہو، لیکن اگر بالائی درجے کا وارث موجود ہو تو باقی ماندہ ترکہ اس کا ہو گا، جیسے ماں اور باپ؛ اس صورت میں ماں اپنا مقررہ حصہ لے گی اور باقی باپ کا ہو گا۔ لیکن اگر ذوی الفروض میں سے کسی وارث کے ساتھ ایسا وارث موجود ہو جو اس کا ہم درجہ نہیں؛ تو باقی ماندہ ترکہ اس صاحب فرض شخص کو دیا جائے گا، جیسے اگر کسی مسئلے میں ماں اور بھائی ہوں تو ماں کو ایک تہائی اس کے حصے کے طور پر اور باقی ماندہ ترکہ رد کے طور پر دیا جائے گا اور بھائی کو کچھ نہیں دیا جائے گا؛ اس لیے کہ وہ دوسرے درجے سے تعلق رکھتا ہے۔

پاکستان میں وراثت سے متعلق قوانین

قیام پاکستان سے قبل برطانوی عہد حکومت میں وراثت کو شخصی (personal) معاملات میں رکھا گیا تھا جن کے بارے میں اصولی طور پر یہ طے کیا گیا تھا کہ مسلمانوں کے ان معاملات سے متعلق امور احکام شریعت کے مطابق طے کیے جائیں گے اور انگریز حکومت ان سے متعلق کوئی ایسی قانون سازی نہیں کرے گی جو احکام شریعت سے متصادم ہو۔ چنانچہ برطانوی استعمار کے دور میں بھی عدالتیں وراثت سمیت مسلمانوں کے تمام شخصی معاملات شریعت کے مطابق طے کرتی تھیں اور حکمرانوں کی طرف سے کوئی باقاعدہ قانون سازی یا ضابطہ بندی نہیں کی گئی۔ برصغیر میں چونکہ مسلمانوں کی اکثریت حنفی فقہ کی پیروکار ہے، اس لیے ان معاملات میں حنفی فقہ کو بنیاد بنایا گیا۔ اسی دور میں یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ انگریزی زبان میں ایسی کتابیں تیار کی جائیں جو انگریزی عدالتوں کو فقہ حنفی کے مطابق فیصلے کرنے میں مدد دے سکیں۔ چنانچہ A Rumsy نے فقہ حنفی کی میراث پر مستند کتاب السراجیہ کا انگریزی ترجمہ کیا۔

یہاں یہ بات واضح رہے کہ اگرچہ انگریز حکمرانوں نے یہ طے کیا تھا کہ دیگر شخصی معاملات کے ساتھ ساتھ وراثت کو احکام شریعت کے مطابق طے کیا جائے گا، تاہم انہوں نے میت کے ترکہ کے منتقل ہونے سے متعلق برصغیر میں رائج چند ایسی رسوم کو قانونی تحفظ فراہم کیا جو شریعت کے منافی تھیں۔ خاص طور پر پنجاب میں رواج کہ کسی شخص کی وفات پر اس کی بیوہ، والدہ، بہن یا لڑکی اس کی جائداد پر اپنی زندگی تک قبضہ رکھ کر اس کی آمدنی پر گزارہ کرتی رہے اور اس خاتون کے انتقال پر یہ جائداد مرحوم کے مرد رشتہ داروں کی طرف لوٹ جائے۔ قیام پاکستان کے بعد یہ صورت حال برقرار رہی البتہ شریعت سے متصادم رسوم کو جو قانونی تحفظ حاصل تھا اسے بڑی حد تک ختم کر دیا گیا۔ چنانچہ پہلے ۱۹۴۸ء اور پھر ۱۹۶۲ء میں

مسلم شخصی قانون (نفاذ شریعت قانون) کا نفاذ عمل میں لایا گیا جس کے تحت یہ قرار دیا گیا کہ مسلمانوں کے ۱۴ شخصی معاملات شریعت کے مطابق طے پائیں گے اور ان میں شریعت کا فیصلہ ہی قانونی شمار ہوگا۔ ان معاملات میں وراثت سرفہرست ہے۔ اس حوالے سے West Pakistan Muslim Personal Law (Shariat Application) Act 1962 کی

دفعہ ۲ درج ذیل ہے:

Notwithstanding any custom or usage, in all questions regarding succession (whether testate or intestate), special property of female, betrothal, marriage, divorce, adoption, guardianship, minority, legitimacy or bastardy, family relations, will, legacies, gifts, religious usages or institutions including waqfs, trusts and trust properties, the rule of decision, subject to the provision of any enactment for the time being in force, shall be the Muslim Personal Law (Shariat) in case where the parties are Muslim.

(قطع نظر کسی رواج یا رسم کے، وراثت، خواتین کی خصوصی جائداد، پیغام نکاح، نکاح، طلاق، مہر، تنہیت، ولایت، نابالغیت، ابنیت، تعلقات اقرباء، وصیت، ہبہ، مذہبی رسومات اور ادارے جن میں وقف، ٹرسٹ اور ٹرسٹ جائداد شامل ہیں، ان سے متعلق تمام امور مسلم پرسنل لا کے تحت طے کیے جائیں گے اگر فریقین مسلمان ہوں بشرطیکہ اس پر کوئی قانون موجود نہ ہو)۔

اگرچہ مذکورہ بالا معاملات کے تصفیے کے لیے شریعت کو فیصلہ کن قرار دیا گیا ہے، لیکن اس سے ایک استثنار کھا گیا ہے جیسا کہ اس دفعہ میں مذکور ہے کہ یہ معاملات صرف اسی وقت شریعت کے مطابق طے ہوں گے جب تک حکومت کی طرف سے ان کے بارے میں کوئی قانون سازی نہ کی گئی ہو، اور حکومت نے اگر کوئی ایسا قانون نافذ کیا جو ان معاملات کے بارے میں کوئی حکم وضع کرتا ہو تو اسے ترجیح حاصل ہوگی، جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ان قوانین میں کوئی شق اگر خلاف شریعت بھی ہو تو وہ نافذ العمل ہوگی۔

وراثت سے متعلق حکومت کی طرف سے اب تک جو قانون سازی کی گئی ہے وہ مسلم عاقلی قوانین آرڈیننس ۱۹۶۱ء دفعہ ۴ ہے جو یتیم پوتے کی وراثت سے متعلق ہے۔ اس سے متعلق گفتگو پیچھے "یتیم پوتے کی وراثت" کے تحت تفصیل سے گزر چکی ہے۔

خلاصہ یہ کہ پاکستان میں مسلمانوں کے احکام وراثت کو بڑی حد تک شریعت کے مطابق طے کیا جاتا ہے اور یتیم پوتے کی وراثت کے مسئلے کے علاوہ اس سلسلے میں ریاست کی طرف سے کوئی باقاعدہ اور مفصل ضابطہ بندی یا تدوین عمل میں نہیں لائی گئی، بلکہ قانون کی عدم تدوین سے کام لیتے ہوئے صرف اتنا قرار دیا گیا ہے کہ وراثت احکام شریعت کے مطابق تقسیم ہوگی۔

خواتین کے حق وراثت کے بارے میں سپریم کورٹ کا فیصلہ

آج کل مسلم معاشروں بالخصوص پاکستان میں قرآن و سنت کے احکام کی صریح خلاف ورزی کرتے ہوئے بعض لوگ خواتین وراثت کو ان کے حق وراثت سے محروم رکھتے ہیں اور موڑت سے منتقل ہونے والی جائیداد خاص طور پر زرعی زمین ان کے حوالے نہیں کرتے۔ پاکستان میں اس رجحان کے بارے میں سپریم کورٹ نے غلام علی بنام غلام سرور نقوی مقدمے میں خواتین کے حق وراثت کے تحفظ کی خاطر درج ذیل اصول وضع کیے ہیں:

- کوئی بھائی زمین پر قبضے جسے قانون کی زبان میں قبضہ مخالفانہ (adverse possession) کہتے ہیں، اسے اپنی بہن کے خلاف قانونی جواز کے طور پر پیش نہیں کر سکتا۔ ترکہ میں منتقل ہونے والی جائیداد پر کسی ایک وارث کے قبضے کو تمام وراثت کے قبضے میں سمجھا جائے گا اور جن وراثت کے پاس اس جائیداد کا حقیقی قبضہ نہ ہو، ان کے بارے میں سمجھا جائے گا کہ وہ ان کے معنوی (constructive) قبضے میں ہے، چنانچہ بھائیوں کے قبضے میں جائیداد بہنوں کے قبضے میں بھی سمجھی جائے گی۔

• ریاست یعنی ریاستی اداروں اور عدالتوں کی جانب سے خواتین کے حق وراثت کو تسلیم اور نافذ کرنا اسلام میں public policy کی حیثیت رکھتا ہے؛ خواتین کو حق وراثت سے محروم کرنا پبلک پالیسی کے خلاف ہے۔ چنانچہ اگر کوئی عورت اپنی مرضی سے بھی حق چھوڑ دے، تو وہ پبلک پالیسی کے خلاف ہونے کی وجہ سے باطل قرار پائے گا۔

• اسلام میں خواتین بالخصوص قریبی رشتہ دار جیسے بیٹیاں، بہنیں، بیویاں اور مائیں، ان کے بارے میں جس طرح کے حسن سلوک کا کہا گیا ہے اس سے پتا چلتا ہے کہ ان کے حقوق خود بخود نافذ ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے کسی بھائی کا یہ کہنا کہ اس کی بہن اپنے حق وراثت سے اس کے حق میں دست بردار ہوگی، غیر اخلاقی متصور ہوگا۔

• کسی خاتون نے چاہے اپنا حصہ مرد وراثت کو تحفہ یا فروخت کے ذریعے دیا ہو، اسے بھی ناجائز اثر (undue influence) کے تحت قانونی تحفظ حاصل ہوگا اور ایسے تمام تصرفات کے بارے میں بنیادی مفروضہ یہی ہوگا کہ ان میں اپنی حیثیت کا ناجائز فائدہ اٹھایا گیا ہے۔*



TABLE OF SHARERS*

Sharer	Normal Share		Conditions for inheritance of normal share	Shares as varied by special circumstances	
	of One	Two or more divided equally			
1	Father	1/6		When there is a child or child of a son hls	The father inherits as a sharer and is a residuary with a female descending heir, and as a residuary in the absence of any descendant
2	True Grandfather hhs	1/6		When there is child or child of a son hls and no father or nearer true grandfather	With no father, the same as for father above. With full or consanguine brothers or sisters (a) according to Malik, the more advantageous of 1/3 or a brother's share in the absence of sharers. with a sharer the more advantageous of a brother's share, 1/6 or 1/3 of the residue, taking twice a full sister's share out of their shares total (b) Egyptian Law: the more advantageous of a brother's share of 1/6 or as a residuary with sisters inheriting as sharers.
3	Husband	1/4		When there is a child or child of a son hls	1/2 when there is no child or child of a son hls
4	Wife or Wives	1/8	1/8	When there is a child or child of a son hls	1/4 when there is no child or child of a son hls

* Hamid Khan, The Islamic Law of Inheritance, pp. 85 - 87

5	Mother	1/6		As for father above. OR when there are two or more brothers or sisters. or one brother and one sister. whether full sonsanguine or uterine	1/3 when no child or child of a son hls and no more than one brother or sister (if any). When there is also a wife or husband as well as the father. only 1/3 of remainder after deducting the husband's or wife's share.
6	True Grand-mother hhs	1/6	1/6	When no mother and no nearer true grand-mother either paternal or maternal	Paternal tue grandmother is entirely excluded by the father and a grandfather through whom she is related to the deceased.
7	Daughter	1/2	2/3	When there is no son	She becomes a residuary with a son. taking half his share
8	Son's Daughter hls	1/2	2/3	When there is no son. daughter. higher son's daughter or equal son's son	No share at all with a higher son's son. No share with two daughters or two higher son's daughters. unless she becomes a residuary with an equal or inferior son's son when she gets half his share, 1/6 on her own share with like son's daughter. when there is one daughter or higher son's daughter if there is no male co-residuary.
9	Full sister	1/2	2/3	When no child. child of a son hls. father or full brother	No share at all with a male descendant hls. or a father. Only the Hanafis make a true grandgather exclude her as well. She

					becomes a residuary with a full brother taking half the share of a male. sharing one third with uterine siblings. and a residuary by a female descendant, e.g. daughter or son's daughter hls if there is no full brother.
10	Consanguine sister	1/2	1/2	When no child, child of a son hls. father. full brother or sister or consanguine brother	No share at all with the father, an inheriting male descendant hls. a full brother or a full sister becoming residuary with daughters. No share when there are two full sisters unless there is a consanguine brother with whom she becomes a residuary and takes 1/2 his share. 1/6 as a sharer on her own or sharing it with like sister/s where there is one full sister and no consanguine brother. As a residuary with an inheriting female descendant.
11 & 12	Uterine brother or sister	1/6	1/3	When no child, child of a son hls. father, or true grandfather	A male receives the same share as a female.



وصیت

تمہیدی مباحث

وصیت: تاریخی تناظر

وصیت مختلف قوموں میں زمانہ قدیم ہی سے رائج رہی ہے لیکن بعض زمانوں میں یہ کمزوروں پر ظلم کا موجب بھی بنی رہی ہے۔ مثلاً روم میں خاندان کے سربراہ کو اپنے مال میں ہر طرح کے تصرف کا غیر مشروط حق حاصل تھا، اس حق کو استعمال کرتے ہوئے وہ کسی اجنبی کے لیے وصیت کر دیتا اور اپنی حقیقی اولاد کو مال سے محروم کر دیتا۔ پھر ایک ایسا دور بھی آیا جب باقاعدہ قانون سازی کر کے حقیقی اولاد کو میراث کے بیشتر حصے سے محروم کر کے محض چوتھائی مال حاصل کرنے کا حق دیا گیا۔

عربوں کے ہاں بھی زمانہ جاہلیت میں صورت حال کچھ زیادہ مختلف نہ تھی۔ وہ اولاد کو نظر انداز کر کے اجنبیوں کے لیے اپنے مال کے متعلق وصیت کر جاتے تھے۔ جس کا منشا صرف اور صرف اظہارِ فخر ہوتا تھا۔ یوں متوفی کے عزیز واقارب تو سخت محتاجی کی حالت میں رہ جاتے اور اجنبی اشخاص مرنے والے کے مال سے خوب فائدہ اٹھاتے۔*

وصیت اسلام میں

جب اسلام آیا تو اس نے محل وصیت کو صحیح رخ عطا کیا اور اس کی بنیاد عدل و انصاف پر رکھی۔ ابتدائی احکام میں والدین اور اعزہ واقارب کے لیے وصیت کرنا فرض قرار دیا گیا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا

* الفقہ الاسلامی وأدلته ۸: ۲۳ (بحوالہ: عیسوی احمد عیسوی، الوصیة فی الشریعة الإسلامیة)

الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ﴿۱۸۰﴾ [البقرة ۲: ۱۸۰] (تم پر فرض کیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کوئی مرنے لگے اور مال چھوڑ جاتا ہو تو اپنے باپ اور قرابت والوں کے لیے اچھائی کے ساتھ وصیت کر جائے، پرہیزگاروں پر یہ حق اور ثابت ہے)۔

ہجرتِ مدینہ اور غزوہٴ اُحد کے بعد میراث کی تقسیم کا مکمل اور مفصل نظام نازل کیا گیا، جس میں ہر حق دار کے لیے اس کا حصہ مقرر کر دیا گیا، اور وصیت کا درجہ فرض سے گھٹا کر مستحب کر دیا گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کو درج ذیل دو باتوں سے مشروط کر دیا گیا:

۱۔ وصیت وارث کے حق میں نافذ نہ ہوگی، الا یہ کہ دوسرے ورثا اجازت دے دیں۔ نبی کریم ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا: **إِنَّ اللَّهَ قَدْ أَعْطَى كُلَّ ذِي حَقِّ حَقَّهُ فَلَا وَصِيَّةَ لِرِثَةٍ** (اللہ تعالیٰ نے ہر حق دار کو اس کا حق بتا دیا ہے، لہذا اب وارث کے حق میں وصیت کی گنجائش نہیں)۔

۲۔ وصیت مال کے صرف ایک تہائی حصہ تک محدود ہو، اس سے زیادہ کے بارے میں وصیت کرنا جائز نہیں۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے فرمایا: **الثَّلْثُ، وَالثَّلْثُ كَثِيرٌ، إِنَّكَ أَنْ تَذَرَ وَرَثَتَكَ أَغْنِيَاءَ خَيْرٌ مِنْ أَنْ تَذَرَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُونَ النَّاسَ** (ہاں تہائی ٹھیک ہے گو کہ یہ بھی زیادہ ہے، تم اپنے وارثوں کو غنی چھوڑ کر جاؤ، یہ اس سے بہتر ہے کہ ان کو محتاجی کے حالت میں چھوڑو کہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں)۔

وصیت کی تعریف

لغوی طور پر وصیت کا استعمال درج ذیل تین معنوں میں ہوتا ہے:

۱۔ سنن ترمذی، ابواب الوصایا، باب ما جاء لا وصیة لوارث، حدیث ۲۱۲۰؛ سنن نسائی، کتاب الوصایا،

باب إبطال الوصیة للوارث، حدیث ۳۶۴۱ (نیز یہ حدیث ابن ماجہ اور مسند احمد وغیرہ میں بھی روایت ہوئی ہے)

۲۔ صحیح بخاری، کتاب الوصایا، باب الوصیة بالثلث، حدیث ۲۷۴۲

- ۱۔ کسی کے حق میں مال کی وصیت کرنا، یعنی اپنی وفات کے بعد مال کا مالک بنانا۔
- ۲۔ کسی کو اپنی اولاد کے بارے میں وصیت کرنا، یعنی اس کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرنے کا کہنا۔

۳۔ کسی کو بھلائی کے کاموں، نماز وغیرہ کی وصیت کرنا، یعنی نماز کا حکم دینا۔^۱

وصیت فقہی اصطلاح میں

حنفی فقہاء کے نزدیک وصیت سے مراد تملیک (کسی چیز کا مالک بنانا) ہے، یعنی کسی دوسرے کو اپنی کسی چیز کا اپنے مرنے کے بعد کے زمانے کی طرف نسبت کر کے مالک بنا دینا وصیت کہلاتا ہے۔ وصیت میں ہبہ کی طرح دوسرے کو بلا کسی عوض مالک بنایا جاتا ہے، البتہ دونوں میں فرق یہ ہے کہ پہلے میں دوسرے کو اپنی زندگی میں ہی بلا عوض کسی چیز کا مالک بنا دیا جاتا ہے جبکہ وصیت میں یہ عمل وصیت کرنے والے کی موت کے بعد وقوع پذیر ہوتا ہے۔ لہذا وصیت میں جو چیز اسے دوسرے معاہدوں یا تصرفات سے جدا کرتی ہے وہ اس کا موت کے بعد رو بہ عمل ہونا ہے۔ وصیت جس طرح کسی چیز کی ذات (ذات شے) کے متعلق کی جاسکتی ہے اسی طرح کسی چیز سے حاصل ہونے والے فائدے کی بھی کی جاسکتی ہے۔

وصیت کرتے وقت ان الفاظ کا استعمال کرنا جو موت کی طرف منسوب ہوں ضروری نہیں؛ بلکہ صرف یہ کہنا کہ "میں اس بات کی وصیت کرتا ہوں" کافی ہوگا، اگرچہ "میرے مرنے کے بعد" کے الفاظ استعمال نہ کرے۔

وصیت اس صورت میں بھی صحیح ہوگی، جب صراحتاً وصیت کا لفظ استعمال نہ کرے بلکہ ایسی بات کہے جو وصیت پر دلالت کرتی ہو، مثلاً اگر کوئی شخص کہے: "میرے مال میں سے

۱۔ جزیری، عبدالرحمن، الفقہ علی المذاهب الأربعة / اردو ترجمہ کتاب الفقہ، مترجم منظور احسن عباسی، طبع دوم،

شعبہ مطبوعات محکمہ اوقاف پنجاب ۳: ۲۲۵

ایک تہائی فلاں کے لیے ہے؛ "تو یہ بات وصیت تصور کی جائے گی، کیونکہ ایک "تہائی حصہ" موت کے بعد کے مفہوم پر دلالت کرتا ہے۔ لیکن اگر یوں کہے کہ "میرا آدھا مال یا مال میں سے یا میرے چوتھائی مال میں سے،" تو یہ وصیت کے معنوں میں درست نہ ہوگا، الا یہ کہ وصیت کا لفظ صراحتاً استعمال کرے۔

مالکی فقہاء کے ہاں وصیت کو ایک عقد تصور کیا گیا ہے، جس کی رو سے وصیت کرنے والے کے ایک تہائی مال میں اس کی وفات کے بعد کسی کا حق واجب ہو جاتا ہے۔ شافعی فقہاء کے نزدیک وصیت کسی شخص کے حق میں بخشش کرنا ہے جس پر عمل درآمد کو وصیت کرنے والے کی وفات کے بعد سے منسوب کیا گیا ہو۔ چاہے وفات کا ذکر صراحتاً کیا گیا ہو یا نہ کیا گیا ہو۔*

وصیت کی مشروعیت

وصیت کا مشروع (جائز) ہونا چار دلائل سے ثابت ہوتا ہے:

۱۔ قرآن کریم ۲۔ سنت مطہرہ ۳۔ اجماع ۴۔ عقل و قیاس

۱۔ قرآن کریم

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةَ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ﴾ [البقرة: ۱۸۰] (تم پر فرض کر دیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کوئی مرنے لگے اور مال چھوڑ جاتا ہو تو اپنے ماں باپ اور قرابت داروں کے لیے اچھائی کے ساتھ وصیت کر جائے، پرہیزگاروں پر یہ حق اور ثابت ہے)۔

سورۃ النساء میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِيَنَّ بِهَا أَوْ دَيْنٍ﴾ [النساء: ۴: ۱۲] (اس وصیت کی تکمیل کے بعد جو مرنے والا کر گیا ہو یا اداے فرض کے بعد)۔ اور ﴿مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ﴾ [النساء: ۴: ۱۲] (اس وصیت کے بعد جو تم کر گئے ہو اور قرض کی ادائیگی کے بعد)۔

پہلی آیت مبارکہ اعزہ واقارب کے لیے وصیت کا جائز ہونا بتلاتی ہے، جبکہ باقی دونوں آیات ادائیگی قرض اور وصیت کو مقدم قرار دیتے ہوئے میراث کو مؤخر کرتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ حکماً وصیت کا نفاذ، قرض کی ادائیگی کے بعد ہوگا۔*

ایک اور آیت کریمہ جو وصیت کا مشروع (جائز) ہونا بتلاتی ہے، وہ یہ ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا شَهَادَةٌ بَيْنَكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِينَ الْوَصِيَّةِ اثْنَانِ ذَوَا عَدْلٍ مِنْكُمْ أَوْ آخَرَانِ مِنْ غَيْرِكُمْ﴾ [المائدة: ۵: ۱۰۶] (اے ایمان والو، جب تم میں سے کوئی مرنے لگے تو وصیت کے وقت تم میں سے یا تمہارے غیروں میں سے دو عادل گواہ ہونے چاہئیں)۔ اس آیت مبارکہ میں حالت سفر میں وصیت پر گواہ بنانے کا حکم ہوا ہے، چنانچہ اگر وصیت مشروع نہ ہوتی تو اس پر گواہ بنانے کا حکم نہ دیا جاتا۔

۲۔ سنتِ مطہرہ

آں حضرت ﷺ کی سنت سے بھی وصیت کی مشروعیت کا ثبوت ملتا ہے۔ اس حوالے سے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا واقعہ مشہور ہے جسے مختلف کتب حدیث میں روایت کیا گیا ہے:

* الفقه الإسلامي وأدلته ۱۰: ۷۴۴

قال سعد بن أبي وقاص، جاءني رسول الله ﷺ يعودني عام حجة الوداع من وجع اشتد بي، فقلت يا رسول الله، إني بلغ بي من الوجع ما ترى، وأنا ذو مال ولا يرثني إلا ابنة لي، أفأصدق بثلثي مالي؟ قال: لا، قلت فالشطر يا رسول الله؟ قال لا، فقلت، فالثلث، قال: الثلث، والثلث كثير، إنك أن تذر ورثتك أغنياء خير من أن تذرهم عالة يتكففون الناس^۱ (حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ کہتے ہیں کہ حجۃ الوداع کے موقع پر میں سخت بیمار پڑ گیا اور حضور ﷺ میری عیادت کرنے تشریف لائے۔ میں نے عرض کی: اللہ کے رسول، آپ میری بیماری کی کیفیت ملاحظہ فرما رہے ہیں، میرے پاس مال ہے جبکہ میرے ورثا میں صرف ایک بیٹی ہے، کیا میں دو تہائی مال صدقہ (کرنے کی وصیت) کر دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں۔ پھر میں نے عرض کی: آدھا حصہ؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، پھر میں نے عرض کی: ایک تہائی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ایک تہائی کی وصیت کر سکتے ہو، اور ایک تہائی بہت ہے، تم اپنے ورثا کو مال دار چھوڑ کر جاؤ یہ اس سے بہتر ہے کہ تم انہیں محتاج و تنگ دست چھوڑ کر جاؤ اور وہ تمہارے بعد لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلاتے رہیں)۔

دوسری حدیث جو وصیت کا مشروع ہونا بتلاتی ہے وہ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: إن الله تصدق عليكم عند وفاتكم بثلث أموالكم زيادة لكم في أعمالكم، تصنعونها حيث شئتم أو قال حيث أحببتم^۲ (اللہ تعالیٰ نے تمہارے نیک اعمال میں اضافے کے لیے تم پر یہ احسان کیا کہ تمہیں موت کے وقت تمہارے مال

۱- صحیح بخاری، کتاب الوصایا، باب الوصیۃ بالثلث، حدیث ۱۲۷۴۲

۲- اس حدیث کو پانچ صحابہ نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ ابن ماجہ نے روایت کی ہے:

سنن ابن ماجہ، کتاب الوصایا، باب الوصیۃ بالثلث، حدیث ۲۷۰۹

کے ایک تہائی حصے کی وصیت کرنے کی اجازت دی، چنانچہ جہاں چاہو اسے استعمال کرنے کی وصیت کرو۔

یہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا اپنے بندوں پر کرم ہے کہ اس نے وفات کے بعد بھی ان کے لیے اپنے ترکے میں تصرف کی آزادی رکھی ہے تاکہ زندگی میں اگر ان سے نیکی کے کام کرنے میں کوئی کمی کوتاہی ہو گئی ہو تو وہ اس کے ذریعے سے اس کا ازالہ کر سکیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ایک روایت ہے جو وصیت کو جلد سے جلد لکھ کر اپنے پاس رکھنے کی ترغیب دلاتی ہے، آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ما حق امرئ مسلم، له شيء يوصي فيه، يبيت ليلتين إلا ووصيته مكتوبة عنده* (وہ مسلمان جس کے پاس وصیت کرنے کے لیے کوئی چیز ہو تو اسے یہ حق حاصل نہیں کہ وہ بغیر وصیت کرے دو راتیں بھی گزار دے الا یہ کہ اس کے پاس وصیت لکھی ہوئی موجود ہونی چاہیے)۔

۳۔ اجماع

اہل علم کا ہر زمان و مکان میں وصیت کے مشروع ہونے پر اجماع رہا ہے۔

۴۔ عقل و قیاس

ہر مومن و مسلم کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کی نیکیوں میں کسی نہ کسی طرح اضافہ ہو سکے۔ لہذا یہ بات عقل و قیاس کے عین مطابق معلوم ہوتی ہے کہ اپنی زندگی ہی میں وہ کچھ ایسا بندوبست کر جائے کہ مرنے کے بعد بھی اسے اس کا اجر و ثواب ملتا رہے۔ اس خواہش کے پورا ہونے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ اسے اپنے مال کے حوالے سے کچھ ایسا اختیار دیا جائے کہ وہ مرنے کے بعد اس میں تصرف کر سکے۔ یہ اختیار وصیت کے ذریعے عطا کر دیا گیا ہے۔

* صحیح بخاری، کتاب الوصایا، باب الوصیۃ بالثلث، حدیث ۲۷۳۸؛ صحیح مسلم، کتاب الوصیۃ، باب الوصیۃ

وصیت کی حکمت

وصیت کو مشروع و جائز قرار دینے میں دو طرح کی حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ ایک دنیا کے فائدے سے تعلق رکھتی ہے اور دوسری آخرت کے اجر و ثواب سے۔

۱۔ دنیوی فائدہ

وصیت کے ذریعے سے ان غریب، نادار اور مسکین اعزہ و اقارب کو فائدہ پہنچایا جاسکتا ہے جو وارث نہ ہوں۔ مثلاً پوتا جو کہ (اپنے باپ کی موجودگی میں) شرعی طور پر دادا کا وارث نہیں بن سکتا، مگر وصیت کے ذریعے سے دادا اپنے پوتے کو کچھ نہ کچھ دے سکتا ہے۔

۲۔ ثوابِ آخرت

جیسا کہ بیان کیا گیا، وصیت کے ذریعے سے انسان اپنے نیک اعمال میں اضافہ کر سکتا ہے۔ اسی طرح زندگی میں ہونے والی کمی کو تاہی کا ازالہ کر سکتا ہے، مثلاً اپنے غریب و نادار رشتہ داروں کے لیے وصیت کرنے میں ایک تو صلہ رحمی کا اور دوسرے صدقہ کا ثواب حاصل کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح یہ ایک تہائی مال خیر و بھلائی کے دیگر کاموں کے لیے وقف بھی کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً عام مسلمانوں کی بھلائی کے لیے کوئی کنواں، نہر، پل، سڑک، سرائے یا ہسپتال وغیرہ کی تعمیر کرنے کی وصیت کرنا، مسجد، سکول اور مدرسہ وغیرہ کی تعمیر و اجرا کی وصیت کرنا۔ جب تک یہ ادارے قائم رہیں گے صدقہ جاریہ کی صورت میں موصی (وصیت کنندہ) کو عرصہ دراز تک ثواب پہنچنے کا ذریعہ بنے رہیں گے۔

وصیت کی اقسام

وصیت کی دو اقسام ہیں:

۱۔ مطلق ۲۔ مقید / معلق وصیت

* ابن قدامہ، المغنی ۸: ۲۲۲

۱۔ مطلق وصیت

مطلق وصیت کی صورت یہ ہوتی ہے کہ کوئی شخص صرف یہ کہے کہ میں فلاں کے لیے اپنے مال کے فلاں حصے کی وصیت کرتا ہوں۔ مطلق وصیت کا حکم یہ ہے کہ اس کا نفاذ کسی شرط یا قید کے پورا ہونے پر موقوف نہیں ہوتا۔

۲۔ مقید وصیت

مقید وصیت وہ ہوتی ہے جس کا پورا ہونا کسی بات سے مشروط کر دیا گیا ہو، یا اس کے پورا ہونے کے لیے کوئی قید لگادی گئی ہو، مثلاً یہ کہے کہ اگر میں اس بیماری سے مر جاؤں یا اس شہر میں مر جاؤں یا فلاں سفر کے دوران مر جاؤں تو فلاں کے لیے میرے مال کا اتنا حصہ ہے۔ اس حالت میں اگر شرط پوری ہو جائے تو وصیت نافذ ہوگی اور اگر شرط پوری نہ ہو تو شرط کے پورا نہ ہونے کے باعث باطل ہو جائے گی۔

وصیت کا حکم شرعی اور اقسام

وصیت کی شرعی حیثیت مختلف حالات کے مطابق مختلف ہوتی ہے۔ ابتداءً اسلام میں وصیت فرض قرار دی گئی تھی۔ اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ زمانہ جاہلیت میں وراثت صرف انہی لوگوں کو ملتی تھی جو جوان مرد ہوں اور جنگ میں شریک ہونے کی اہلیت و استطاعت رکھتے ہوں (جیسا کہ میراث کے حصے میں بیان ہوا)۔ اس طرح کمزور، بوڑھے، ضعیف مرد و خواتین اور کم سن بچوں کا حق مارا جاتا تھا، لہذا مکمل نظام وراثت کے نفاذ سے قبل حکمت و تدبیر کے تحت لوگوں کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ اپنے غریب و مسکین اقارب کو کچھ دے جانے کی وصیت کر جایا کریں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةَ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ﴾ [البقرہ ۲: ۱۸۰] (تم پر فرض کر دیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کوئی مرنے لگے اور پیچھے مال چھوڑ جاتا ہو تو اپنے والدین اور رشتہ داروں کے لیے اچھائی کے ساتھ وصیت کر جائے، پرہیزگاروں پر یہ حق اور ثابت ہے)۔

بعد میں جب مدینہ منورہ میں اسلامی حکومت قائم ہوئی اور میراث کی تقسیم کا مکمل نظام نازل ہوا، جس میں ہر حق دار کو اس کا حق دیا گیا اور ورثائے ترکہ کا تعین کر کے ان کے حصے مقرر کر دیے گئے، تو وصیت کو فرض کے بجائے مستحب قرار دیا گیا اور اس کے لیے ایک تہائی ترکہ کی حد مقرر کی گئی۔ بعد ازاں مذکورہ بالا آیت کا حکم آیات میراث کے ذریعے منسوخ کر دیا گیا۔*

* مولانا مجیب اللہ ندوی، اسلامی فقہ ۲: ۶۸۸

حکم شرعی کے لحاظ سے وصیت کی اقسام

۱۔ واجب ۲۔ مستحب ۳۔ مباح ۴۔ مکروہ تحریمی ۵۔ حرام

۱۔ واجب

تمام فقہاء کے نزدیک ان چیزوں کے بارے میں وصیت کرنا انسان پر لازم اور واجب ہے جو اس کے ذمے دوسرے انسانوں کا حق ہوں، مثلاً ایسا قرض جس کے بارے میں وارثوں کو علم نہ ہو، یا اس کے لیے کوئی تحریری دستاویز موجود نہ ہو، یا لوگوں کی امانتیں اس کے پاس موجود ہوں۔ مالکی اور حنبلی فقہاء کے نزدیک حج، زکاۃ، نذر کا کفارہ یا کسی اور واجب الادا عبادت کے بارے میں وصیت کرنا بھی واجب ہے۔

کسی فرض یا واجب کام کی وصیت کا زبانی کہہ دینا یا لکھ کر اپنے پاس ہر وقت رکھنا ضروری ہے، تاکہ اچانک موت آجانے کی صورت میں حق داروں کی حق تلفی نہ ہو، ورنہ آدمی گناہ گار ہوگا۔

جہاں تک مذکورہ بالا صورت کے علاوہ ازراہ احسان کسی کے لیے وصیت کا تعلق ہے تو جمہور فقہاء کا موقف ہے کہ ایسی وصیت انسان پر واجب نہیں۔ البتہ بعض فقہاء جیسے زہری، طاووس، مسروق، قتادہ، ابن جریر، ابن حزم وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ ایسی صورت میں بھی وصیت واجب ہے، اس لیے کہ قرآن مجید میں وصیت کے سلسلے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةَ لِلْوَالِدَيْنِ
وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ فَمَنْ بَدَّلَهُ بَعْدَمَا سَمِعَهُ فَإِنَّمَا إِثْمُهُ
عَلَى الَّذِينَ يَبَدِّلُونَهُ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ [البقرة: ۱۸۰-۱۸۱] (تم پر فرض کر دیا

گیا ہے کہ جب تم میں سے کوئی مرنے لگے اور پیچھے مال چھوڑ جاتا ہو تو اپنے والدین اور رشتہ داروں کے لیے اچھائی کے ساتھ وصیت کر جائے، پرہیزگاروں پر یہ حق اور ثابت ہے۔ یہ

حق ہے متقی لوگوں پر۔ پھر جنہوں نے وصیت سنی اور بعد میں اسے بدل ڈالا تو اس کا گناہ ان بدلنے والوں پر ہو گا۔ اللہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔

اسی طرح حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مَا حَقُّ امْرِئٍ مُسْلِمٍ لَهُ شَيْءٌ يُوصِي فِيهِ، يَبِيْتُ لَيْلَتَيْنِ إِلَّا وَصِيَّتُهُ مَكْتُوبَةٌ عِنْدَهُ (وہ مسلمان جس کے پاس وصیت کرنے کے لیے کوئی چیز ہو تو اسے یہ حق حاصل نہیں کہ وہ بغیر وصیت کرے دو راتیں بھی گزار دے الا یہ کہ اس کے پاس وصیت لکھی ہوئی موجود ہونی چاہیے)۔ حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ جب سے میں نے یہ حدیث سنی ہے تب سے مجھ پر ایک رات بھی ایسی نہیں گزری کہ میرے پاس وصیت (لکھی ہوئی) موجود نہ ہو۔^۱

جمہور فقہاء جو مذکورہ بالا صورت میں وصیت کے عدم وجوب کے قائل ہیں، ان کی دلیل یہ ہے کہ اکثر صحابہ نے اپنے مال کی وصیت نہیں کی اور نہ ہی ان پر اس وجہ سے کوئی اعتراض کیا گیا؛ اگر وصیت وجوب کے درجہ میں ہوتی تو یقیناً صحابہ اس کی خلاف ورزی نہیں کر سکتے تھے۔ جہاں تک سورۃ البقرۃ کی مذکورہ بالا آیت ۱۸۰ کا تعلق ہے جو وصیت کو واجب قرار دیتی ہے، تو وہ ابتداءً اسلام کے زمانے میں نازل ہوئی تھی جسے بعد ازاں سورۃ النساء کی آیات میراث نے منسوخ کر دیا، تاہم غیر وارث کے حق میں وصیت کا مستحب ہونا باقی ہے۔^۲

اسی طرح ان فقہاء کے بقول درج ذیل احادیث بھی وصیت کے وجوب کے منسوخ ہونے کی تائید کرتی ہیں:

۱۔ صحیح بخاری، کتاب الوصایا، باب الوصایا، حدیث ۲۷۳۸؛ صحیح مسلم، کتاب الهبات، باب کراہۃ تفضیل

بعض الأولاد فی الہبة، حدیث ۱۶۲۷

۲۔ الموسوعة الفقهية ۴۳: ۲۲۳

۱۔ إِنَّ اللَّهَ قَسَمَ لِكُلِّ وَارِثٍ نَصِيبَهُ مِنَ الْمِيرَاثِ، فَلَا تَجُوزُ لِوَارِثٍ وَصِيَّةٌ^۱
(اللہ تعالیٰ نے تر کے میں ہر وارث کا حصہ تقسیم کر دیا ہے، لہذا اب وارث کے حق میں وصیت جائز نہیں۔)

۲۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللَّهَ تَصَدَّقَ عَلَيْكُمْ، عِنْدَ وَفَاتِكُمْ، بِثُلْثِ أَمْوَالِكُمْ، زِيَادَةً لَكُمْ فِي أَعْمَالِكُمْ^۲
(حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمہارے نیک اعمال میں اضافہ کرنے کے لیے تم پر یہ احسان کیا کہ تمہیں موت کے وقت اپنے مال کے ایک تہائی کی وصیت کرنے کی اجازت دے دی۔)

امام ابن حزم آگے بڑھ کر یہ کہتے ہیں کہ

جو شخص بغیر وصیت کیے فوت ہو جائے تو اس کی طرف سے آسانی سے جتنی مقدار ممکن ہو، بطور وصیت دیا جانا لازمی ہے کیونکہ وصیت کا فریضہ ادا کرنا واجب ہے، اور جب ایسا ہے تو یہ ضروری ہوا کہ میت کے مال سے وصیت واجبہ کے حصے میں میت کی ملکیت (بعد الموت) کو ساقط تصور کیا جائے، لیکن اس مقدار کی کوئی حد مقرر نہیں، بلکہ مقدار کا تقرر وصی یا ورثا کی رائے کے مطابق کیا جائے گا، اور وہ اس حد تک ہو جس سے ورثا پر ظلم لازم نہ آتا ہو۔ سلف کے ایک گروہ کی بھی یہی رائے ہے اور اس سلسلے میں نبی کریم ﷺ سے بھی ایک حدیث مروی ہے۔ چنانچہ امام مالک ہشام بن عروہ کی سند سے، حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ "ایک شخص نے

۱۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الوصایا، باب لا وصیة لوارث، حدیث ۲۷۱۲؛ سنن ترمذی، ابواب الوصایا، باب

ما جاء لا وصیة لوارث، حدیث ۲۱۲۱

۲۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الوصایا، باب الوصیة بالثلث، حدیث ۲۷۰۹

آنحضرت ﷺ سے عرض کی کہ میری والدہ کا انتقال ہو گیا ہے اگر وہ کچھ بول سکتیں تو صدقہ کرنے کا کہتیں، تو کیا میں ان کی جانب سے صدقہ کر سکتا ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا، ہاں۔ چنانچہ اس شخص نے والدہ کی جانب سے صدقہ کر دیا۔ "اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جس نے وصیت نہ کی ہو اس کی طرف سے صدقہ کرنا واجب ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ کا حکم فرض ہونے کی دلیل ہوتا ہے۔ اسی طرح حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ میرے والد فوت ہو گئے ہیں اور انہوں نے وصیت نہیں کی تو میں اگر ان کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا یہ ان کے (وصیت نہ کرنے کے گناہ کے) لیے کفارہ ہوگا؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، ہاں۔" ۱

اس حدیث سے بھی ثابت ہوا کہ وصیت واجب ہے اور جس نے وصیت نہ کی ہو اس کی طرف سے صدقہ کرنا ضروری ہے، کیونکہ کفارہ کا تعلق گناہ سے ہوتا ہے اور آنحضرت ﷺ نے وضاحت فرمادی کہ جس نے وصیت نہ کی اس کی طرف سے کفارہ یعنی صدقہ کیا جائے۔ ۲

۲۔ مستحب

خفی اور مالکی فقہا کی رائے میں مستحب وصیت کا تعلق حقوق اللہ سے ہے، یعنی واجب الادا عبادات کے لیے جو وصیت کی جائے وہ مستحب ہے۔

۱۔ صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب ما يستحب لمن يتوفى فجأة أن يتصدقوا عنه، حدیث ۱۳۸۸؛ صحیح مسلم،

کتاب الزکاة، باب وصول ثواب الصدقة عن الميت اليه، حدیث ۱۰۰۴

۲۔ صحیح مسلم، کتاب الوصیة، باب وصول ثواب الصدقات إلى الميت، حدیث ۱۶۳۰؛ سنن نسائی، کتاب

الوصایا، باب فضل الصدقة عن الميت، حدیث ۳۶۴۹

۳۔ المحلی، کتاب الوصایا، ۱۷۵۲۔ مسألة مات ولم یوص ۸: ۳۵۲، ۳۵۳

شافعی فقہاء کے نزدیک مستحب وصیت وہ ہے جو تاکید کی مستحب ہے۔ یعنی وہ وصیت جو وصیت کی شرائط کو پورا کرتی ہو مگر واجب، حرام یا مکروہ نہ ہو۔

حنبلی فقہاء کے نزدیک مستحب وصیت سے مراد ایسی وصیت ہے جو کسی ایسے محتاج قرابت دار کے حق میں کی جائے جسے ترکے میں سے حصہ نہ مل سکتا ہو۔ لیکن اس طرح کی وصیت میں دو شرائط کا پایا جانا ضروری ہے: ایک یہ کہ وہ اس قدر مال چھوڑے جسے بالعموم زیادہ تصور کیا جاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ وصیت مال متروکہ کے پانچویں حصے سے زیادہ کے بارے میں نہ ہو، تاکہ ورثا کو نقصان نہ پہنچے۔ اگر کوئی محتاج قرابت دار نہ ہو تو فقرا و مساکین اور اہل علم کے لیے ایسی وصیت مستحب ہوگی۔

۳۔ مباح

حنفی فقہاء کا کہنا ہے کہ ایسی وصیت مباح ہوگی جو خوش حال رشتہ دار کے حق میں کی جائے۔ شافعی فقہاء کے نزدیک صاحب ثروت شخص کے حق میں وصیت کرنا مباح ہے، چاہے وہ رشتہ دار ہو یا نہ ہو۔ مالکی فقہ میں مباح وصیت وہ ہے جو کسی مباح امر کے لیے کی جائے۔ حنبلی فقہاء کے نزدیک وصیت کی واجب، مستحب، مکروہ اور حرام اقسام کے علاوہ باقی تمام اقسام مباح ہیں۔

۴۔ مکروہ

حنفی فقہاء کے ہاں مکروہ وصیت وہ ہے جو فساق و فجار اور گمراہ لوگوں کے لیے کی جائے۔ مالکی اور حنبلی فقہاء کے نزدیک ایسے شخص کا وصیت کرنا بھی مکروہ ہے جس کے پاس مال کم ہو، اس کا وارث موجود ہو اور وصیت کرنے کی صورت میں وہ محتاج و نادار رہ جائے۔

۵۔ حرام

شافعی فقہاء کہتے ہیں کہ کسی سرکش یا مفسد کے حق میں وصیت کرنا، کہ اگر اس کا کچھ بھی حق ترکہ میں رکھا گیا، تو وہ فساد پھیلانے کا حرام ہے۔ حنبلی فقہاء کے نزدیک وہ وصیت

حرام ہے جو وارث کے مال کے ایک تہائی حصے سے زیادہ کے بارے میں کی جائے۔ مالکی فقہاء کے ہاں حرام وصیت وہ ہے جو کسی حرام کام کے لیے کی جائے۔ مثلاً میت پر نوحہ و ماتم کے لیے وصیت کرنا۔

وہبہ زحیلی نے حرام وصیت کی چند درج ذیل صورتیں ذکر کی ہیں:

مسلمان کی جانب سے کلیسا کی تعمیر و مرمت کی وصیت کرنا، تورات اور انجیل کے پڑھنے لکھنے کے متعلق وصیت کرنا، گمراہی، فلسفہ، جادو ٹونے اور دوسرے تمام حرام علوم کی کتابت و تعلیم کی وصیت کرنا، شراب کے متعلق یا مخرب اخلاق چیزوں پر خرچ کرنے کی وصیت کرنا، اجنبی شخص کے لیے مال متروکہ کے ایک تہائی حصے سے زائد کی وصیت کرنا، وغیرہ۔*

* الفقه الإسلامی وأدلته ۸: ۵۳-۵۶

وصیت واجبہ اور یتیم پوتے کی وراثت

وہ فقہا جو وصیت واجبہ کے قائل ہیں، ان کی رائے سے استفادہ کرتے ہوئے بعض مسلم ممالک، مثلاً مصر، تیونس، شام، عراق وغیرہ میں دادا کے ترکہ میں یتیم پوتے پوتیوں کے حق میں وصیت کو 'وصیت واجبہ' کا درجہ دیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں مصر میں جو قانون سازی کی گئی ہے، وہ درج ذیل ہے:

دفعہ ۷۶۔ جبکہ موہبی نے اپنی حیات میں فوت شدہ اولاد کے لیے کوئی وصیت نہ کی ہو، یا موہبی کی موت کے ساتھ اس کی اولاد میں سے کسی کی موت واقع ہو گئی ہو، خواہ یہ موت حکمی ہی کیوں نہ ہو، تو اس فوت شدہ اولاد کے اس حصے کے مثل، جو اگر وہ زندہ ہوتا تو اپنے مورث (باپ) سے اس کو ملتا، اس کی اولاد کے حق میں ایک تہائی کی حد تک وصیت واجبہ متصور ہوگی، لیکن شرط یہ ہے کہ یہ اولاد موجودہ صورت میں غیر وارث ہو، اور میت (موہبی) نے اس کو بغیر عوض کسی دوسرے طریقے (تصرف) کے ذریعے اتنی مقدار، جس کا وہ وراثت کے ذریعہ مستحق ہوتا، نہ دی ہو۔ اگر دی ہو اور اس مذکورہ مقدار سے کم ہو تو محض اتنی مقدار کے حق میں وصیت واجبہ سمجھی جائے گی جو اس کی استحقاقی مقدار کو پورا کر دے۔ یہ وصیت بیٹی کی اولاد کے اول طبقے کے لیے اور بیٹوں کی صلیبی اولاد کے تمام نیچے کے مسلسل طبقوں کے لیے نافذ ہوگی، اور ہر اصل اپنی فرع کا حاجب ہو سکے گا۔ دوسرے طبقہ کی فرع کا حاجب متصور نہ ہوگا اور ہر اصل کا حصہ اس کی فرع (اولاد) پر خواہ وہ کتنے ہی نیچے تک کا سلسلہ ہو، تقسیم کیا جائے گا۔ یہ تقسیم میراث کی اس تقسیم کے مطابق ہوگی جبکہ اصل موجود ہوتی اور اس کے فوت ہونے کے بعد ان ورثا کو اس کے ترکہ سے حصص دے کر تقسیم کی جاتی، اور ان کی موت میں طبقات کی موت کی ترتیب کا لحاظ رکھا جائے گا۔

دفعہ ۷۷۔ جبکہ میت نے کسی ایسے فرد کے لیے جس کے حق میں وصیت واجبہ نہ تھی، وصیت واجبہ کے حصے سے زیادہ کی وصیت کر دی ہو، تو اس میں زیادتی کے بقدر وصیت

اختیاریہ کا حکم جاری ہو گا۔ لیکن اگر وصیت واجبہ کے حصے سے کم کی وصیت کی گئی ہو تو وصیت واجبہ کی مقدار کو مکمل کیا جائے گا۔

اگر وصیت واجبہ کے بعض مستحقین کے حق میں وصیت کی گئی ہو اور بعض کے حق میں نہ کی گئی ہو تو وہ لوگ جن کے حق میں وصیت کی گئی ہے، اپنے حصے کے بقدر مستحق ہوں گے اور جس کے حق میں وصیت نہیں کی گئی یا کم مقدار میں کی گئی ہے، ایک تہائی ترکہ کے بقایا سے ان کا حصہ لے لیا جائے گا، اگر یہ تہائی ان کے (قانونی) حقوق کی پابجائی کے لیے کافی نہ ہو تو اس کے ساتھ وصیت اختیاریہ کا حصہ شامل کر لیا جائے گا۔

دفعہ ۷۸۔ اداگی میں وصیت واجبہ دیگر وصیتوں پر مقدم ہوگی۔ اگر موصلی نے ایسے لوگوں کے حق میں وصیت نہ کی ہو جن کو وصیت واجبہ کے ذریعے مستحق قرار دیا گیا تھا اور ان کے برخلاف غیر افراد کے حق میں وصیت کی گئی ہو تو ہر صاحب وصیت واجبہ ترکہ کی ایک تہائی کے بقایا سے اپنے حصے کا مستحق متصور ہو گا۔ اگر تہائی کی بقایا ان کے حقوق کے لیے ناکافی ہو تو اس مقدار سے جو دوسروں کی وصیت میں شامل ہے، ان کے حقوق کو پورا کیا جائے گا۔*

یہاں یہ بات واضح رہے کہ امام ابن حزم کے موقف کے مطابق وصیت واجبہ صرف پوتے پوتوں تک میں محدود نہیں، جیسا کہ مصری قانون میں اسے انہی کے حق میں محدود کر دیا گیا ہے، بلکہ میت کے والد یا والدہ کی طرف سے دیگر غیر وارث اقربا اگر مستحق ہوں تو ان کے حق میں بھی ابن حزم کے قول کے مطابق وصیت کرنا واجب ہو گا، مثلاً اگر والدین غیر مسلم ہونے کی وجہ سے وراثت کے حق سے محروم ہو رہے ہوں تو وصیت کے ذریعے ان کے لیے تعاون کی گنجائش موجود سمجھی جائے گی۔

* ڈاکٹر تنزیل الرحمن، مجموعہ قوانین اسلام ۳: ۱۲۶۳-۱۲۶۵ بحوالہ: قانون الوصیۃ المصری، مجریہ ۱۹۳۶ء، فصل ۶،

بیسویں صدی کے ربع اول تک اس مسئلے میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا تھا کہ دادا یا نانا کے انتقال پر اگر اس کی اولاد میں سے کوئی بیٹا یا بیٹی اس سے پہلے یا اس کے ساتھ انتقال کر جائے تو اس مرنے والے بیٹے یا بیٹی کی اولاد کو ان کے دادا یا نانا کی وراثت سے کوئی حصہ نہیں ملے گا۔ اس مسئلے میں نہ صرف اہل سنت کے مشہور فقہی مذاہب اور شیعہ امامیہ وزیدیہ اور ظاہریہ سب متفق ہیں، بلکہ جن مذاہب اور ائمہ و فقہاء کے نقطہ ہائے نظر عرصے سے غیر معروف یا صرف اہل علم کی حد تک محدود ہیں، ان میں سے بھی کسی امام، فقیہ یا مجتہد کا کوئی قول اس کے خلاف منقول نہیں۔ لیکن دور حاضر میں متعدد اسلامی ممالک میں میت کی مرحوم اولاد کی اولاد کے سلسلے میں جدید قانون سازی کی گئی اور وصیت واجبہ کے ذریعے انہیں میت یعنی دادا نانا کے ترکے سے ایک معقول حصے کا مستحق قرار دیا گیا اور اس قانون سازی کی غرض و غایت یہ بیان کی گئی کہ بسا اوقات یہ اولاد اپنے چچوں کے مقابلے میں انتہائی فقر وفاقے میں مبتلا ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں جب یہ میراث سے بھی محروم ہو جائے تو ناقابل بیان حد تک مشکلات کا شکار ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ایسے حالات و واقعات کو پیش نظر رکھتے ہوئے مصر اور بعض دیگر اسلامی ممالک میں قانون وصیت کے تحت "وصیت واجبہ" کے ذریعے پوتے پوتیوں کی امداد کے لیے قانون سازی کی گئی۔*

پاکستان میں قانونی صورت حال

زیر بحث مسئلے میں پاکستان میں سب سے پہلے ۳ دسمبر ۱۹۵۳ء کو پنجاب اسمبلی کے اجلاس میں ایک بل (مسودہ قانون) پیش کیا گیا کہ بیٹے کی موجودگی میں (یتیم) پوتے کو اور بھائی کی موجودگی میں بھتیجے کو میراث کا حق دیا جائے۔ ملک گیر مخالفت کے سبب یہ بل منظور نہ ہو سکا۔ ۱۹۵۵ء میں حکومت پاکستان نے ایک عائلی قانون کمیشن قائم کیا۔ جبکہ مرکزی و

* مجموعہ قوانین اسلام ۴: ۱۲۷۲

صوبائی مقننہ کو صدارتی فرمان مجریہ، ۱۹۵۸ء کے ذریعے توڑا جا چکا تھا، مارشل لا کے دور میں آرڈی نینس نمبر ۸ بابت ۱۹۶۱ء کی دفعہ ۴ کے ذریعے پاکستان میں یہ قانون نافذ کر دیا گیا کہ "اگر کوئی شخص مر جائے اور اپنے پیچھے ایسے لڑکے یا لڑکی کی اولاد کو چھوڑے جو اس کی زندگی میں فوت ہو چکا ہو تو مرحوم کی اولاد اس حصے کو پانے کی مستحق ہوگی جو ان کے باپ یا ماں کو ملتا، اگر وہ اس شخص کی وفات کے وقت موجود ہوتے۔" چنانچہ اس طرح پاکستان میں دیگر اسلامی ممالک کے رائج الوقت قوانین میں "وصیت واجبہ" کے برخلاف پوتے پوتی اور نواسے نواسی کو اپنے باپ یا ماں (جیسی صورت ہو) کے قائم مقام کی حیثیت سے "وارث" قرار دے دیا گیا۔

اس قانون کے اسلام کے مطابق یا غیر مطابق ہونے کے سلسلے میں شروع ہی سے دو نقطہ ہائے نظر پائے جاتے تھے۔ ملک کی عظیم اکثریت، جن میں تقریباً ہر مکتب فکر کے علما شامل تھے، اس نقطہ نظر کی حامل تھی کہ یہ دفعہ شرع اسلام کے منافی ہے، جبکہ ایک قلیل تعداد طبقہ جو جدید تعلیم یافتہ افراد پر مشتمل تھا، اس کو شرع اسلام کے مطابق قرار دیتا رہا۔* لہذا مذکورہ آرڈی نینس (نمبر ۸ بابت ۱۹۶۱ء) کے نفاذ کے وقت ہی سے مختلف مکاتب فکر کے علما نے اس کی ان دفعات میں ترامیم کا مطالبہ کیا جو قرآن و سنت کے مطابق نہیں ہیں۔ چنانچہ صدر پاکستان کی ہدایت پر اسلامی نظریاتی کونسل نے اس قانون پر غور کیا اور اس کی بعض دفعات میں ترامیم تجویز کیں۔ زیر بحث دفعہ (۴) میں کونسل کی جانب سے جو ترامیم تجویز کی گئی وہ حسب ذیل ہے:

اگر مورث کی زندگی میں اس کا کوئی لڑکا یا لڑکی فوت ہو جائے جبکہ مورث کا کوئی اور بیٹا یا بیٹی مورث کی وفات کے وقت زندہ ہوں تو اس لڑکے یا لڑکی کی اولاد اپنے دادا یا نانا

* ایضاً: ۱۹۵۸، ۱۹۵۹

کے ترکے میں اتنا حصہ پائے گی جتنے حصے کی وصیت ان کے نانا یا دادا نے ان کے حق میں کی ہو۔ بشرطیکہ وہ وصیت مجموعی طور پر میت کے ترکے سے ابتدائی واجبات ادا کرنے کے بعد کل ترکے کے ایک تہائی سے زائد نہ ہو۔

البتہ اگر دادا یا نانا نے مذکورہ اولاد کے حق میں کوئی وصیت نہ کی ہو تو اس دادا یا نانا کے ورثا پر لازم ہو گا کہ وہ مذکورہ اولاد کو اتنا نفقہ ادا کریں جتنا کہ عائلی عدالت متعلقہ امور پر غور کرنے کے بعد اسلامی شریعت کے مطابق ان کے لیے تجویز کرے۔^۱

مگر اسلامی نظریاتی کونسل کی تجویز پر ساہا سال تک کوئی عمل درآمد نہ ہو سکا اور بالآخر وفاقی شرعی عدالت نے اسی سلسلے کے ایک کیس کی سماعت کرتے ہوئے ۱۳ مارچ ۲۰۰۰ء کو یہ فیصلہ دیا:

بحث و تمحیص کے بعد عدالت اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ مذکورہ آرڈیننس بابت ۱۹۶۱ء کی دفعہ نمبر ۴ اسلامی تعلیمات کے سراسر خلاف ہے اور صدر پاکستان کو ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ ایسے اقدامات کریں جن سے اس قانون میں تبدیلی کر کے اس سلسلہ میں ایسا قانون سامنے لایا جائے جو اسلامی تعلیمات کے مطابق ہو۔ نیز عدالت یہ فیصلہ کرتی ہے کہ مذکورہ آرڈیننس کی دفعہ ۴، جو اسلامی تعلیمات کے مخالف قرار پائی ہے، ۱۳ مارچ ۲۰۰۰ء سے کالعدم متصور ہوگی۔^۲

نیز فاضل عدالت نے یتیم پوتے پوتیوں کے معاشی مسائل کو، دیگر اسلامی ممالک کی طرح، وصیت واجبہ کے ذریعے حل کرنے کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے کہا:

۱۔ اسلامی نظریاتی کونسل کی سالانہ رپورٹ، بابت ۱۹۷۸-۱۹۷۹، ص ۷۵

۲۔ The All Pakistan Legal Decisions, 2000, 52:48

۱۔ قرآنی تعلیمات سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ وہ یتیم پوتے پوتیاں جو اپنے دادا، نانا کی وراثت سے محروم ہیں، وصیت کے ذریعے انہیں بھی میت کے ترکے سے حصہ دیا جاسکتا ہے۔

۲۔ یتیم پوتے پوتیاں اپنے دادا نانا کی وراثت سے بغیر کسی ملامت کے اسی طرح فیض یاب ہونے کے حق دار ہیں جس طرح ان کے چچا چچیاں اپنے باپ کے ترکے سے بطور وارث فیض یاب ہونے کے حق دار ہیں۔

۳۔ اس سلسلے میں یہ قانون سازی بھی کی جاسکتی ہے کہ اگر مرنے والے نے پوتے پوتیوں کے لیے وصیت نہیں کی، تو میت کے کل ترکے سے ایک تہائی مال کی حد تک بطور وصیت انہیں دلایا جائے گا اور اسے ان کے دادا نانا کی طرف سے وصیت تصور کیا جائے گا، بشرطیکہ وہ تہائی مال اس مقدار سے زیادہ نہ ہو جو مقدار دادا، نانا کی مرحوم اولاد کو زندہ ہونے کی صورت میں بطور وراثت ملنی تھی۔*

لیکن جیسا کہ میراث کے حصے میں بیان ہوا، وفاقی شرعی عدالت کے اس فیصلے کے خلاف وفاق پاکستان کی طرف سے اپیل دائر کی گئی، جو تاحال سپریم کورٹ کے شریعت اپیلٹ بینچ میں زیر سماعت ہے۔

وصیت کے ارکان

وصیت کے ارکان کی تفصیل بیان کرنے سے پہلے چند الفاظ اور اصطلاحات کا مفہوم بیان کرنا ضروری ہے۔

- موصی (Testator): وصیت کرنے والا۔
- موصیٰ لہ (Legatee): وہ شخص یا کام جس کے لیے وصیت کی جائے۔
- موصیٰ بہ (Subject Matter): وہ مال جس کے بارے میں وصیت کی جائے۔

- موصیٰ الیہ (Administrator): جو شخص موصیٰ کی وفات کے بعد اس کے قائم مقام کی حیثیت سے وصیت کے اجرا و تعمیل کے لیے مقرر ہو، اسے 'وصیٰ' یا 'موصیٰ الیہ' کہا جاتا ہے۔

اب ہم یہ دیکھیں گے کہ مختلف فقہی مسالک کی رو سے وصیت کے ارکان کون کون سے ہیں۔

حنفی فقہاء کے ہاں وصیت کا صرف ایک رکن ہے۔ امام زفر کے مطابق یہ رکن موصیٰ کی جانب سے ایجاب ہے (یعنی یہ کہنا کہ میں فلاں چیز کی وصیت کرتا ہوں)، جبکہ موصیٰ لہ کی جانب سے قبول کرنا وصیت کا رکن نہیں، بلکہ نفاذ کے لیے شرط ہے۔ یہی قول حنفی فقہاء کے ہاں رائج مانا جاتا ہے۔ انہوں نے موصیٰ لہ کو وارث پر قیاس کیا ہے کہ دونوں کو ملکیت موت کے باعث منتقل ہوتی ہے اور وارث کی ملکیت قبولیت کی محتاج نہیں؛ لہذا اسی پر قیاس کرتے ہوئے یہ رائے اختیار کی گئی کہ موصیٰ لہ کی ملکیت بھی قبولیت کی محتاج نہیں۔

کاسانی کہتے ہیں کہ حنفیہ کے تینوں ائمہ کے ہاں باقی تمام عقود کی طرح وصیت کے بھی دو ہی ارکان ہیں: "ایجاب اور قبول" چونکہ انسان بغیر سعی و قبول کے کسی چیز کا مالک نہیں بن سکتا۔ اگر وہ قبول نہ کرے گا تو اس کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے، بخلاف میراث کے کہ اس میں ملکیت اللہ تعالیٰ کی طرف سے جبراً ثابت ہوتی ہے۔ لہذا اس میں وصیت کے برعکس قبولیت کی شرط نہیں۔^۱

بعض معاصر اہل علم نے امام زفر کی رائے کو قیاس مع الفارق قرار دیتے ہوئے اس دوسرے قول کو ہی راجح قرار دیا ہے۔^۲

قبول کی شرط یہ ہے کہ وہ موصی کی موت کے بعد ہی کارگر ہوتا ہے۔ اگر موصی لہ موصی کی موت کے بعد قبول کرے تو موصی بہ (وصیت کردہ مال) اس کی ملکیت میں داخل ہو جائے گا، چاہے وہ اسے اپنی تحویل میں لے یا نہ لے۔ اگر موصی لہ موصی کی موت کے بعد بلا قبول و رد مر جائے تو موصی بہ اس کے ورثا کی طرف منتقل ہو جائے گا۔ اگر وہ اپنی زندگی میں قبول یارد کر چکا ہو تو وہ باطل قرار پائے گا۔^۳

جمہور کے نزدیک وصیت کے ارکان چار ہیں:^۴

- | | |
|--------------------------|-------------------------------------|
| ۱۔ موصی (وصیت کرنے والا) | ۲۔ موصی لہ (جس کے لیے وصیت کی جائے) |
| ۳۔ موصی بہ (مال) | ۴۔ صیغہ (ایجاب و قبول) |

۱۔ بدائع الصنائع، دار الحدیث، قاہرہ ۲۰۰۵ء، ۱۰: ۵۰۲

۲۔ ڈاکٹر، مجموعہ قوانین اسلام ۳: ۱۲۳۳

۳۔ قدری پاشا، مرشد الحیران، دفعہ ۹۳: الفقہ الاسلامی وأدلته ۸: ۲۲-۲۳

۴۔ الفقہ الاسلامی وأدلته ۸: ۲۳

وصیت کرنے کے طریقے

وصیت تین طریقوں سے منعقد ہو سکتی ہے:

۱۔ بذریعہ زبانی الفاظ ۲۔ بذریعہ تحریر ۳۔ بذریعہ اشارہ

۱۔ بذریعہ زبانی الفاظ

فقہاء کے مابین اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ وصیت صریح الفاظ سے منعقد ہو جاتی ہے۔ مثلاً "میں فلاں کے لیے وصیت کرتا ہوں۔" اسی طرح لفظ غیر صریح سے بھی (جو قرینہ کے باعث وصیت سمجھا جاسکے) وصیت منعقد ہو جاتی ہے۔ مثلاً "میری موت کے بعد فلاں کے لیے میرے مال میں سے اتنا حصہ ہو گا۔"

۲۔ بذریعہ تحریر

تحریری وصیت کے معتبر ہونے میں فقہاء کے ہاں کوئی اختلاف نہیں۔^۱ البتہ تحریری صورت میں وصیت ایسا شخص کرے جو بولنے کی سرے سے طاقت ہی نہ رکھتا ہو (گونگا ہو) یا اسے ایسا مرض لاحق ہو گیا ہو کہ بول نہ سکتا ہو اور یہ امید نہ ہو کہ وہ موت تک کبھی گفتگو کے قابل ہو سکے گا۔ تحریری وصیت اس شخص کے لیے بھی بعض صورتوں میں جائز ہے، جو بول سکتا ہو، اس بارے میں مختلف فقہی مذاہب کی آرا درج ذیل ہیں:

حنبلی فقہاء کے ہاں تحریری وصیت اس صورت میں جائز ہوگی جب یہ بات ثابت ہو جائے کہ تحریر موصلی ہی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے، یا اس پر کوئی ثبوت مل جائے جو یہ بات ثابت کرے کہ تحریر موصلی ہی کی ہے۔

۱۔ الفقه الإسلامی وأدلته ۸: ۲۴

۲۔ ایضاً، ص ۲۴، ۲۵

حنفی اور مالکی فقہاء کے نزدیک جب ایک شخص اپنے ہاتھ سے وصیت لکھ کر اس پر گواہ بنائے اور ان سے یہ کہے کہ جو کچھ اس تحریر میں لکھا گیا اس پر تم گواہ ہو تو یہ جائز ہو گا۔ شافعی فقہاء تحریری وصیت درست ہونے کے لیے یہ بھی شرط عائد کرتے ہیں کہ موصلی گواہوں کو اپنی وصیت سے مطلع کرے (جو اس نے تحریر کی ہے) پھر اس پر ان کو گواہ بنائے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرے گا تو وصیت منعقد نہیں ہوگی۔

۳۔ بذریعہ اشارہ

اشارے کے ذریعے گونگے، اور مرض کے باعث بولنے سے عاجز شخص کی وصیت منعقد ہو جائے گی، لیکن صرف اس صورت میں جب وہ لکھنا نہ جانتا ہو اور اشارہ کا مفہوم و مطلب واضح ہو۔ اگر لکھنا جانتا ہو تو اسے تحریری وصیت کرنا ہوگی، کیونکہ وہ زیادہ واضح ہوتی ہے۔

موصلیٰ لہ کے رد اور قبول کا مسئلہ

۱۔ موصلیٰ لہ کو رد و قبول کا اختیار موصلیٰ کی موت کے بعد حاصل ہوتا ہے

جیسا کہ پیچھے بیان کیا جا چکا ہے کہ عقدِ وصیت میں دوسرے عقود (contracts) کی نسبت یہ فرق ہے کہ اس میں ملکیت موصلیٰ کی موت کے بعد ثابت ہوتی ہے، زندگی میں نہیں۔ اس لیے موصلیٰ لہ کی جانب سے وہ 'قبول' قابل اعتبار ہو گا جو موصلیٰ کی موت کے بعد ہو۔ اور اگر "قبول" موصلیٰ کی زندگی میں کیا گیا ہو تو اس "قبول" کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ اس وقت تو موصلیٰ لہ کا حق ابھی ثابت ہی نہیں ہوا تھا۔ اسی لیے جمہور فقہاء کے نزدیک اگر موصلیٰ لہ موصلیٰ کی زندگی میں اس کی وصیت کو قبول کرنے سے انکار کر دے تو اس کے انکار کا بھی اعتبار نہیں کیا جائے گا، بلکہ موصلیٰ کی موت کے بعد موصلیٰ لہ کا یہ حق باقی تسلیم کیا

جائے گا اور اس سے پوچھا جائے گا کہ وہ اپنے حق میں کی گئی وصیت کو قبول کرتا ہے یا نہیں؟
اگر وہ قبول نہ کرے تو پھر اس کا انکار معتبر تسلیم کیا جائے گا۔^۱

۲۔ رد و قبول میں تاخیر بھی کی جاسکتی ہے

اسی طرح فقہا کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ موّصی کی موت کے بعد یہ ضروری نہیں کہ موّصیٰ لہ فوری طور پر وصیت کے قبول یا رد کرنے کا فیصلہ دے، بلکہ اسے اس سلسلے میں مہلت حاصل ہوگی خواہ اس کی مدت طویل ہو جائے؛ کیونکہ عقد وصیت عام عقود سے مختلف ہے۔ البتہ شافعی اور حنبلی فقہ میں یہ اضافہ کیا گیا ہے کہ اگر موّصیٰ لہ موّصیٰ کی موت کے بعد وصیت کو نہ قبول کرے اور نہ ہی رد کرے تو ورثا کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ موّصیٰ لہ سے اس کا مطالبہ کریں کہ وہ وصیت کو یا قبول کرے یا اسے رد کرے ورنہ اس پر رد کا حکم لگایا جائے گا اور وصیت کو باطل قرار دے دیا جائے گا۔^۲

وصیت کے رد و قبول میں کتنی تاخیر جائز ہے؟ اس سلسلے میں بعض اہل علم کی رائے یہ

ہے کہ یہ عدالت کی صواب دید پر منحصر ہوگا۔^۳

۳۔ موّصیٰ لہ کا قبول کرنے کے بعد رجوع

موّصیٰ لہ وصیت کو قبول کرنے کے بعد اسے رد کر دے تو اس کا یہ رد کرنا معتبر ہوگا؟

فقہا کے ہاں اس سلسلے میں درج ذیل تین آرا پائی جاتی ہیں:

۱۔ جمہور فقہا کی رائے یہ ہے کہ اگر موّصیٰ لہ نے وصیت کو موّصیٰ کی موت کے بعد قبول

کر لیا تو پھر اس قبول کے بعد وہ اس سے رجوع کا حق نہیں رکھتا، خواہ موّصیٰ لہ اس کے

قبضہ میں آگئی ہو یا نہ آئی ہو بلکہ قبول کے بعد وصیت صحیح اور قابل نفاذ ہو جاتی ہے۔^۱

۱۔ ابن عابدین، رد المحتار ۵: ۳۲۱؛ خطیب، شریعی، مغنی المحتاج ۳: ۵۳

۲۔ مغنی المحتاج ۵: ۵۳؛ بہوتی، کشاف القناع ۴: ۳۴۴

۳۔ مجموعہ قوانین اسلام ۴: ۱۲۳۰

۲۔ دوسری رائے یہ ہے کہ موصیٰ لہ اگر موصیٰ بہ کو قبضہ میں لینے کے بعد رد کرے تو پھر اس کے رد کا اعتبار ہوگا، ورنہ نہیں۔ یہ رائے بعض شافعی اور حنبلی فقہاء کی ہے۔^۱

۳۔ تیسری رائے بعض حنبلی فقہاء کی ہے کہ موصیٰ بہ اگر ناپی تولی جانے والی اشیا ہیں، تو ان کی بابت کی گئی وصیت کو قبول کرنے اور ان اشیا کو قبضہ میں لینے سے پہلے رد کا اختیار ہے۔^۲

۴۔ رد یا قبول کا اختیار کس قسم کے موصیٰ لہ کو حاصل ہوگا؟

اگر موصیٰ لہ متعین فرد ہو اور مکمل اہلیت رکھتا ہو تو چونکہ وہ اپنی ذات کا خود ولی ہے، اس لیے صرف اسی کا رد یا قبول معتبر ہوگا۔ اگر موصیٰ لہ غیر متعین ہوں یا کوئی جماعت ہو جیسے فقراء، مساکین وغیرہ اس صورت میں کی گئی وصیت موصیٰ کی جانب سے نافذ ہو جاتی ہے اور انکار یا قبول کا اس میں چونکہ کسی کو اختیار نہیں ہوتا اس لیے انکار یا قبول کا کوئی اعتبار نہیں۔^۳

اگر موصیٰ لہ "مجور" ہو (یعنی وہ شخص جسے کسی وجہ سے اپنے مال میں تصرف سے روکا گیا) ہو تو پھر اس کا ولی چونکہ اس کے امور کا ذمہ دار ہوتا ہے، اس لیے ولی کا قبول یا رد معتبر ہوگا، بشرطے کہ ولی کا فیصلہ 'مجور' کے مفاد میں کیا گیا ہو۔ اور اگر ولی نے اس کے مفاد کا لحاظ نہ کیا تو حاکم یا عدالت کو اس میں مداخلت کا حق حاصل ہوگا۔^۴

۱۔ الشرح الصغير ۳: ۵۸۳؛ حاشیة الدسوقی ۳: ۲۲۳؛ رملی، غایة المحتاج ۶: ۶۶؛ مرداوی، الإنصاف ۷: ۱۰۵

۲۔ الإنصاف ۷: ۱۰۵؛ مغنی المحتاج ۳: ۵۳

۳۔ الإنصاف ۷: ۱۰۵

۴۔ رد المحتار ۵: ۳۱۶؛ کشاف القناع ۳: ۳۴

۵۔ مصطفیٰ سیوطی، مطالب اولی النهی ۳: ۳۵۹؛ مغنی المحتاج ۳: ۵۳

۵۔ موصیٰ لہ کی موت کے موصیٰ بہ کے رد و قبول پر اثرات

موصیٰ لہ اگر متعین شخص ہو تو اس صورت میں زیر بحث مسئلہ کی درج ذیل صورتیں ہو سکتی ہیں:

۱۔ موصیٰ لہ موصیٰ کی موت سے پہلے یا اس کے ساتھ ہی فوت ہو جائے تو فقہا کا اتفاق ہے کہ اس صورت میں اس کے حق میں کی گئی وصیت باطل قرار پائے گی۔

۲۔ اگر موصیٰ لہ موصیٰ کی موت کے بعد فوت ہو اور اس نے وصیت کو قبول کیا ہو نہ رد، تو اس بارے میں فقہا کا اختلاف ہے۔ حنفی فقہا کے نزدیک از روے استحسان یہ وصیت قابل نفاذ قرار پائے گی۔ 'جمہور فقہا کی رائے میں ایسی وصیت موصیٰ لہ کے ورثا پر موقوف ہوگی اور انہیں اس کے رد یا قبول کا اختیار حاصل ہو جائے گا؛ کیونکہ موصیٰ لہ کے حقوق اس کی موت کے بعد اس کے ورثا کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں۔ جمہور فقہا نے اپنے موقف کی تائید میں درج ذیل حدیث سے استدلال کیا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ تَرَكَ

مَالًا فَلِوَرَثَتِهِ^۱ (حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس

شخص نے (مرتے وقت) کچھ مال چھوڑا تو وہ اس کے ورثا کا حق ہے)۔

۱۔ رد المحتار ۵: ۳۲۱

۲۔ صحیح بخاری، کتاب فی الاستقراض وأداء الديون، باب الصلاة علی من ترک دینا، حدیث ۲۳۹۸

وصیت کے شرائط

وصیت کے کچھ شرائط ایسے ہیں جن پر وصیت کے وجود پذیر ہونے کا دار و مدار ہے اور کچھ ایسے ہیں جن کا وصیت کے نفاذ کے لیے موجود ہونا ضروری ہے۔ یہ شرائط یا تو موصی میں ہوتے ہیں یا موصیٰ لہ میں یا موصیٰ بہ میں۔ یہاں ان تمام شرائط کا الگ الگ ذکر کیا جاتا ہے۔

موصی (Testator) کے شرائط*

موصی کے لیے ضروری ہے کہ وہ تملیک کا اہل ہو، یعنی خود مالکانہ حقوق رکھتا ہو، اور دوسرے کو مالکانہ حقوق دے سکتا ہو اور وہ ایسا شخص ہو سکتا ہے جو عاقل، بالغ اور آزاد ہو، چاہے مرد ہو یا عورت اور چاہے مسلمان ہو یا کافر۔

وہ شرائط جن کا موصی میں پایا جانا ضروری ہے، درج ذیل ہیں:

۱۔ عقل و شعور

تمام فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ وصیت کرنے والا عقل و شعور رکھتا ہو، لہذا مجنون (پاگل) حالت جنون میں وصیت نہیں کر سکتا اور ایسی وصیت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، جو حالت جنون میں کی گئی ہو۔ اسی طرح نشے کی حالت میں وصیت کرنا بھی درست نہیں۔ البتہ مجبور (وہ شخص جسے قانونی طور پر اپنے مال میں تصرف کرنے سے روک دیا گیا ہو) کی وصیت بالاتفاق معتبر ہوگی، کیونکہ مجبور پر پابندی لگانے کا مقصد اسے زندگی میں اپنے مال کو ضائع کرنے سے باز رکھنا ہے اور وصیت کی صورت میں اس کا مال اس کی زندگی میں اس کے پاس ہی رہتا ہے۔

* الفقہ الاسلامی وأدلته ۸: ۳۳ وما بعد

۲۔ بلوغ

حنفی اور شافعی فقہاء کے نزدیک بالغ ہونا وصیت کی شرائط میں سے ہے۔ لہذا ان کے ہاں بچے کا وصیت کرنا درست نہیں، نہ ہی اس کی وصیت کا کوئی اعتبار ہے۔ چاہے بچہ عقل مند ہو یا نہ ہو، چاہے وہ تجارت کر سکتا ہو یا نہ کر سکتا ہو۔

مالکی اور حنبلی فقہاء بشعور بچے کی وصیت کو درست مانتے ہیں بشرطیکہ بچہ دس سال کی عمر کو پہنچ چکا ہو، کیونکہ اس کا اسلام لانا بھی معتبر اور اس کی نماز بھی درست اور قابل قبول ہوتی ہے۔ حنفی فقہاء ایسے بچوں کی اس وصیت کو درست قرار دیتے ہیں، جو وہ اپنے تجہیز و کفن وغیرہ کے بارے میں کریں۔ یہ حکم حضرت عمر کی اس روایت سے ماخوذ ہے جس میں آپ نے کم سن بچے کو وصیت کرنے کی اجازت دی تھی۔

۳۔ آزاد ہونا

فقہاء کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ صرف آزاد شخص ہی وصیت کر سکتا ہے۔ غلام یا مملوک کا وصیت کرنا معتبر نہیں ہے۔ اس لیے کہ غلام خود کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا، بلکہ وہ خود اور اس کی ہر چیز اس کے مالک کی ملک ہے۔ جبکہ وصیت تو نام ہی اس کا ہے کہ کوئی شخص دوسرے کو اپنی ملک کا بلا معاوضہ مالک بنائے۔

۴۔ وصیت کرنے والے کا مال وصیت کا مالک ہونا

وصیت درست ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ انسان جس چیز کے بارے میں وصیت کرے وہ اس کی اپنی ملک ہو، اس لیے کہ انسان خود جس چیز کا مالک نہ ہو، دوسرے کو اس کا مالک نہیں بنا سکتا۔

۵۔ موہی کا راضی اور اپنی بات میں سنجیدہ ہونا

ضروری ہے کہ وصیت کرنے والا اپنی آزاد مرضی اور رضا و رغبت اور خوشی سے وصیت کرے۔ وصیت کرتے وقت وہ بالکل سنجیدہ ہو، مذاق نہ کر رہا ہو۔ اگر کسی کو وصیت

کرنے پر مجبور کیا گیا ہو یا دھوکہ اور فریب سے یا اسے مجبور کر کے کسی خاص چیز کی بابت کسی خاص شخص وغیرہ کے حق میں اس سے وصیت لی گئی ہو تو ایسی وصیت درست نہ ہوگی۔

۶۔ موصلی پر اتنا قرض نہ ہونا جو اس کے مال کے ایک تہائی سے زائد ہو

یہ شرط وصیت کے نفاذ سے تعلق رکھتی ہے، چنانچہ وصیت کو رو بعمل لانے کے لیے ضروری ہے کہ موصلی پر اتنا قرض نہ ہو جو اس کے تمام مال سے زائد ہو اور اس کا سارا ترکہ قرض کی نذر ہو جائے۔ جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے کہ قرض کی اداگی وصیت پر مقدم ہے اور اس بات پر تمام امت کا اجماع بھی ہے۔ جہاں تک سورۃ النساء کی ۱۱ اور ۱۲ نمبر آیات کا تعلق ہے جن میں وصیت کا ذکر قرض سے پہلے آیا ہے، جیسا کہ ارشاد باری ہے: ﴿فَإِنْ كَانَ لَهُ

إِخْوَةٌ فَلِأُمَّةِ السُّدُسِ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ﴾ [النساء: ۱۱] (اگر میت

کے بھائی بہن بھی ہوں تو میت کی ماں چھٹے حصہ کی حق دار ہوگی) (یہ حصہ اس وقت نکالا جائے گا) جب کہ وصیت جو میت نے کی ہو پوری کر دی جائے اور قرض جو اس پر ہو، ادا کر دیا جائے)۔

حضرت علیؑ سے مروی درج ذیل روایت سے بھی اس کی وضاحت ہوتی ہے: عَنْ عَلِيٍّ

قَالَ: قَضَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالذَّيْنِ قَبْلَ الْوَصِيَّةِ* (حضرت علیؑ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ فیصلہ فرمایا تھا کہ قرض کی اداگی وصیت (کے نفاذ) سے پہلے کی جائے گی)۔

تاہم اگر ایسی کوئی صورت پیش آجائے تو پھر وصیت کو ان لوگوں کی مرضی پر موقوف

سمجھا جائے گا جن سے موصلی نے قرض لے رکھا تھا، اگر وہ لوگ اپنا حق چھوڑنے پر تیار ہو

* سنن ابن ماجہ، کتاب الوصایا، باب الذین قبل الوصیة، حدیث ۲۷۱۵

جائیں تو وصیت قابل نفاذ ہوگی، ورنہ وصیت باطل قرار پائے گی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرض کی ادائیگی کو وصیت پر مقدم قرار دیا ہے۔^۱

مذکورہ تفصیل سے یہ شبہ نہ ہو کہ مقروض وصیت نہیں کر سکتا۔ فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مقروض وصیت کر سکتا ہے، اگرچہ وصیت کے وقت قرض اس کے تمام مال (ترکہ) کے برابر ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ وصیت کا نفاذ موت کے بعد ہوتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس وقت تک اس کے قرض کی ادائیگی کی کوئی صورت نکل آئے۔

اگر موہبی کا قرض اس کے تمام ترکہ کے برابر ہو تو اس صورت میں اس کی وصیت کا نفاذ قرض کی ادائیگی پر موقوف ہوگا، چاہے یہ ادائیگی مکمل قرض کی ہو یا کچھ کی، اور چاہے اس کا سبب قرض خواہوں کا قرض معاف کرنا ہو یا کوئی اور شخص اپنی خوشی سے قرض دار کا قرض ادا کرے۔ اور اگر اس کا قرض کم ہو تو قرض کی ادائیگی پہلے کی جائے گی اور باقی مال سے وصیت کا نفاذ عمل میں لایا جائے گا۔^۲

مختلف لوگوں کی وصیت کی شرعی حیثیت

ذیل میں مقروض، غیر مسلم، ذمی، حربی کافر اور مرتد کی وصیتوں کی حیثیت اور حکم کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

الف۔ قرض دار کی وصیت

مقروض کی وصیت درست ہوگی۔ اگرچہ قرض اس کے تمام مال کے برابر ہو، کیونکہ وصیت کا نفاذ موت کے بعد ہوتا ہے۔

۱۔ بدائع الصنائع ۱۰: ۵۱۱

۲۔ الفقہ الإسلامی وأدلته ۸: ۶۲

اگر قرض تمام ترکہ کے برابر ہو، تو اس صورت میں وصیت کا نفاذ موصلی کے قرض سے بری ہونے پر موقوف رہے گا۔ یہ براءت یا تو مکمل قرض سے ہو یا اس کے کچھ حصے سے۔ چاہے براءت کی وجہ قرض خواہوں کا قرض معاف کرنا ہو یا کوئی اور شخص اپنی خوشی سے مقرض کا قرض ادا کر دے۔

جب قرض دار مکمل طور پر بری ہو جائے تو وصیت مکمل مال کے ایک تہائی میں سے نافذ ہوگی، لیکن اگر قرض کے کچھ حصے سے بری ہو گیا اور کچھ سے نہ ہو تو وصیت اس مال کے ایک تہائی میں نافذ ہوگی جس سے بری ہو گیا ہے۔

اگر قرض تمام ترکہ کے برابر نہ ہو بلکہ کم ہو، تو اس صورت میں وصیت کسی کی اجازت پر موقوف نہ ہوگی، بلکہ اس ایک تہائی مال سے ادا کی جائے گی جس پر قرض نہیں۔*

ب۔ غیر مسلم کی وصیت

یہاں غیر مسلم میں ذمی، حربی اور مرتد سب شامل ہیں۔

وصیت چاہے مسلمان کرے یا غیر مسلم، دونوں کی طرف سے جائز اور صحیح ہوگی؛ کیونکہ یہ نیکی کا کام ہے اور تمام مذاہب و ادیان اس کی اجازت دیتے ہیں۔ لہذا ذمی کی مسلمان اور ذمی دونوں کے لیے، اور مسلمان کی مسلمان اور ذمی دونوں کے لیے وصیت درست ہے، اس لیے کہ وصیت کے درست ہونے کے لیے مسلمان ہونا شرط نہیں ہے۔

۱۔ ذمی کی وصیت

فقہا اس بات پر متفق ہیں کہ ذمی کے لیے وصیت کرنا جائز ہے، کیونکہ وہ تملیک کا اہل ہوتا ہے، اور اپنے مال میں اپنی مرضی سے تصرف کا اختیار رکھتا ہے۔ ذمی کی وصیت بھی

* الفقه الإسلامی وأدلته ۸: ۶۲ (بحوالہ عیسوی، الوصیة، ص ۶۳)

مسلمان کی طرح ترکہ کے ایک تہائی کے اندر اندر جائز ہوگی اور نافذ کی جائے گی، لیکن اگر ایک تہائی سے زائد ہو تو نافذ نہ ہوگی۔

ذمی کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ وہ اپنے جیسے ذمی کے لیے، مسلمان کے لیے یا اس شخص (مستامن) کے لیے وصیت کرے جو امان لے کر دارالاسلام میں داخل ہو اور مگر اس کا مستقل رہائشی نہ ہو۔ حنفی فقہاء کے نزدیک ذمی یا مسلمان ایسے حربی کے لیے وصیت نہیں کر سکتا جو دارالحرب میں ہو۔ اسی طرح حنفیہ کے نزدیک وہ اس کام کے لیے وصیت کر سکتا ہے جو اس کے مذہب میں نیکی کا کام مانا جاتا ہے، یا ہر اس کام کے لیے بھی جس کے نیک کام ہونے پر اسلام اور اس کا دین متفق ہوں؛ لیکن ان کاموں کے لیے وصیت نہیں کر سکتا جو دونوں شریعتوں میں حرام ہوں۔

۲۔ حربی کافر کی وصیت

حربی کا وصیت کرنا بھی درست ہے اور حربی کے حق میں وصیت کرنا بھی۔ لیکن اگر وہ دارالحرب میں ہو تو شافعی اور حنبلی فقہاء کے ہاں اس حال میں بھی اس کے حق میں وصیت کرنا درست ہے، جبکہ حنفی فقہاء کہتے ہیں کہ اگر دارالحرب میں ہو تو درست نہ ہوگی، البتہ اگر وہ امان لے کر کچھ وقت کے لیے دارالاسلام میں مقیم ہو تو درست ہوگی۔ مالکی فقہاء کا موقف ہے کہ حربی کے حق میں وصیت کسی صورت درست نہیں۔*

* الدر المختار ورد المحتار ۱۰: ۳۳۳، ۳۳۵؛ بدائع الصنائع ۷: ۱۳۶؛ تبیین الحقائق ۲: ۱۸۳؛ الشرح

الصغیر ۳: ۵۸۱؛ مغنی المحتاج ۳: ۴۳؛ المغنی ۲: ۱۰۴؛ کشاف القناع ۳: ۳۹۰؛ الفقہ الاسلامی

وأدلته ۸: ۶۲-۶۳

۳۔ مرتد کی وصیت

مرتد ایسا شخص ہے جو دین اسلام سے پھر جائے، چاہے کوئی اور دین اختیار کر لیا ہو یا سرے سے ملحد اور لادین ہو گیا ہو۔ ایسے شخص کو توبہ کرنے پر مجبور کیا جائے گا اور اگر توبہ نہ کرے تو اسے قتل کیا جائے گا۔ حنفی فقہاء کے ہاں مرتد مرد کو تو قتل کیا جائے گا جبکہ عورت کو نہیں۔

شافعی، مالکی اور حنبلی فقہاء کے نزدیک مرتد کی وہ وصیت درست مانی جائے گی جو کسی حرام کام کے لیے نہ ہو، مثلاً کسی مسلمان کا شراب اور خنزیر سے فائدہ اٹھانا؛ لیکن وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اس کی وصیت موقوف رہے گی، چنانچہ اگر وہ اسلام کی طرف پلٹ آیا تو درست ہوگی اور اس کا نفاذ بھی ہوگا، ورنہ باطل ہو جائے گی۔

حنفی فقہاء مرتد مرد و عورت کے درمیان فرق کرتے ہیں۔ مرد کے بارے میں ان کی رائے جمہور کے مطابق ہے، جبکہ مرتد عورت کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس کی وصیت درست ہوگی اور اس کا نفاذ بھی ہوگا، کیونکہ حنفیہ کے ہاں مرتد عورت کو بطور حد قتل نہیں کیا جاتا۔

موصیٰ لہ (Legatee) کے شرائط

وہ شرائط جن کا موصیٰ لہ میں پایا جانا ضروری ہے، درج ذیل ہیں:*

۱۔ موصیٰ لہ خود معصیت یا اس سے معصیت کی وصیت نہ کی ہو

اگر موصیٰ مسلمان ہے تو وصیت کے درست ہونے کے لیے ضروری ہے کہ موصیٰ لہ کوئی بذات خود معصیت یا معصیت یعنی کسی گناہ کی وصیت نہ کی گئی ہو، ورنہ وصیت باطل قرار پائے گی۔ مثلاً شراب اور رقص و سرور کی محفلیں منعقد کرنے کی وصیت، میت پر نوحہ کرنے

* الفقه الإسلامی وأدلته ۸: ۳۶ وما بعد

کی وصیت، کلیسا کی تعمیر و مرمت وغیرہ کی وصیت۔ قبر پر گنبد یا مزار تعمیر کرنا بھی شرعی طور پر محل نظر ہے، اس لیے فقہانے ایسی وصیت کو بھی اس زمرے میں شامل کیا ہے۔

۲۔ موّصیٰ لہ کا موجود ہونا

ضروری ہے کہ موّصیٰ لہ وصیت کے وقت موجود ہو یا وجود میں آنے والا ہو؛ لیکن اگر ایسا نہ ہو تو معدوم شے کے لیے وصیت کرنا درست نہیں۔ اس لیے کہ وصیت "تملیک" ہے؛ اور تملیک معدوم شخص یا چیز کی صورت میں ناممکن ہے۔ لہذا جمہور فقہاء کے ہاں مردہ کے لیے وصیت نہیں کی جاسکتی۔ البتہ امام مالکؒ کہتے ہیں کہ اگر موّصیٰ کو اس بات کا علم ہو کہ موّصیٰ لہ کی وفات ہو چکی ہے تو ایسی وصیت جائز ہوگی اور تملیک کے اہل میت کے ورثا ہوں گے، جبکہ اس کا قرض ادا کیا اور اس کی وصیت پوری کی جا چکی ہے۔

• حمل کے بارے میں وصیت اور حمل کے لیے وصیت

حمل سے متعلق وصیت دو قسم کی ہو سکتی ہے: یا تو وہ حمل کے بارے میں کی جائے گی یا حمل کے لیے کی جائے گی؛ یعنی حمل یا تو موّصیٰ بہ ہو گا یا پھر موّصیٰ لہ۔

- حمل کی وصیت (بطور موّصیٰ بہ)

اگر یہ حمل موّصیٰ کی ملکیت ہو تو وصیت صحیح ہوگی، یعنی کہ یہ حمل موّصیٰ کے کسی جانور مثلاً گائے، گھوڑے، بکرے وغیرہ کا ہو، جس کا وہ مالک ہے۔ اگر یہ زندہ وجود میں آیا اور اس کا وصیت کے وقت موجود ہونا معلوم ہو گیا ہو تو وصیت درست ہوگی، اور اگر ایسا نہیں ہے تو وصیت درست نہ ہوگی۔ اگر یہ بچہ مردہ پیدا ہوا تو وصیت باطل ہو جائے گی۔*

* ایضاً، ص ۳۸، ۳۹

- حمل کے لیے وصیت (بطور موصیٰ لہ)

حمل کے لیے وصیت بھی بالاتفاق درست ہوگی۔ اس لیے کہ وصیت میراث کی طرح ہے اور حمل (بچہ) میراث پانے کا اہل ہے، لہذا وہ وصیت (موصیٰ بہ) پانے کا بھی حق دار ہے، بشرطیکہ ماں اس بچے کو (وصیت کے وقت سے شمار کرتے ہوئے) چھ ماہ کے اندر اندر زندہ جنم دے، جو حمل کی کم سے کم مدت ہے۔ بعض کے نزدیک یہ وقت موصیٰ کی موت کے وقت سے شمار کیا جائے گا، نہ کہ وصیت کے وقت سے۔ لیکن اگر مردہ پیدا ہو تو وصیت باطل ہو جائے گی۔ اس لیے کہ مردہ پیدا ہونے والا بچہ میراث کا حق دار نہیں ہوتا۔^۱

مالکی فقہاء کی رائے اس شرط کے بارے میں مختلف ہے۔ ان کے ہاں معدوم کے لیے وصیت کرنا بھی جائز ہے۔ ان کے ہاں اُس کے لیے وصیت کرنا بھی جائز ہے جو بعد میں وجود میں آنے والا ہو، چاہے وہ وصیت کے وقت موجود ہو یا موصیٰ کی موت تک ابھی وجود میں نہ آیا ہو۔ مگر راجح رائے جمہور ہی کی ہے، کیونکہ معدوم کو تملیک کا اہل قرار دینا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ دوسرے یہ کہ ایسی صورت میں طویل عرصہ تک مال روک کر رکھنا پڑے گا، صرف اس کے انتظار میں جسے مستقبل میں وجود پذیر ہونا ہے۔^۲

۳۔ موصیٰ لہ کا معلوم ہونا

موصیٰ لہ کے لیے یہ شرط بھی ہے کہ وہ معلوم یا متعین شخص یا چیز ہو۔ اس لیے کہ موصیٰ لہ سے لاعلمی موصیٰ بہ کو اس کے سپرد کرنے میں مانع ہوگی۔ چونکہ وصیت موت کے بعد نافذ ہوتی ہے، اس لیے ضروری ہے کہ اس وقت موصیٰ لہ معلوم و متعین ہو، تاکہ اس کے لیے ملکیت ثابت ہو سکے اور موصیٰ بہ اس کے سپرد کیا جاسکے۔ مثلاً اگر موصیٰ یہ کہے کہ فلاں

۱۔ ایضاً، ص ۳۸، ۳۹

۲۔ ایضاً، ص ۳۸، ۳۹

دو آدمیوں میں سے ایک کے لیے اتنے مال کی وصیت کرتا ہوں تو یہ وصیت نافذ نہ ہو سکے گی۔

اس لیے کہ موصی کی مراد واضح نہیں ہے کہ وہ دو میں سے مال کس کو دینا چاہتا ہے۔

البتہ اگر یہ کہے کہ میرا اتنا مال مسلمان فقرا و مساکین یا ناداروں کے لیے ہے تو یہ

درست ہو گا۔ اس لیے کہ یہ اللہ کی راہ میں صدقہ و خیرات کرنا ہے۔ یعنی موصی 'بہ اللہ کے

لیے ہو جائے گا، اور اللہ نے غربا و مساکین کو اس کا مالک بنا دیا ہے۔

۴۔ موصی 'لہ تملیک کا اہل ہو

تملیک کا اہل کون ہوتا ہے؟ یہ موصی کے شرائط میں گزر چکا ہے۔ موصی 'لہ کے لیے

یہ شرط باتفاق علما ثابت ہے۔ مثلاً کوئی شخص کسی جانور کے لیے کچھ مال کی وصیت کرے، تو

حنفی، شافعی اور مالکی فقہاء کے ہاں ایسی وصیت باطل ہوگی۔ اس لیے کہ وصیت کا لفظ تملیک

کے لیے ہوتا ہے اور جانور وغیرہ کو کسی چیز کا مالک نہیں بنایا جاسکتا؛ لیکن حنفی فقہاء کی رائے کے

مطابق اگر کوئی یہ کہے کہ میں فلاں جانور کے لیے اتنے مال کی وصیت کرتا ہوں تو یہ درست

ہوگا۔ ایسی صورت میں ان کے ہاں قبولیت کی شرط ختم ہو جائے گی، اس لیے کہ جانور قبول

نہیں کر سکتا، لیکن اگر اس نے یہ کہا کہ یہ وصیت اس جانور کے چارے وغیرہ کے لیے ہے، تو

ایسی وصیت درست ہوگی۔ اس صورت میں حنفی اور حنبلی فقہاء کے نزدیک قبولیت کی شرط

ساقط ہو جائے گی، البتہ شافعی فقہاء کے نزدیک قبول کی یہ شرط جانور کے مالک کو پوری کرنی

ہوگی۔*

۵۔ موصی 'لہ وصیت کنندہ کا قاتل نہ ہو

اس بارے میں فقہاء کے ہاں مختلف آرا پائی جاتی ہیں:

* الفقه الإسلامی وأدلته ۸: ۴۲

۱۔ اگر موصیٰ لہ وصیت کرنے والے کو قتل کر دے تو وہ وصیت کردہ مال (موصیٰ بہ) کا ہر گز حق دار نہیں ہوگا، چاہے قتل جان بوجھ کر کیا گیا ہو یا غلطی سے ایسا ہو گیا ہو۔ یہ حنفی فقہاء کی رائے ہے۔ حنبلی اور شافعی فقہاء کے ہاں بھی ایک قول ایسا ہی نقل ہوا ہے۔

حنفی فقہاء نبی اکرم ﷺ کی حدیث: لیس لقاتل میراث (قاتل کے لیے وراثت نہیں) کو استدلال کے طور پر پیش کرتے ہیں کہ جس طرح وارث بننے والا اپنے مورث کو قتل کرنے کی صورت میں وراثت سے محروم ہو جاتا ہے اسی طرح موصیٰ لہ نے اگر موصیٰ کو قتل کر دیا تو وہ وصیت کا حق دار نہیں رہے گا۔

چونکہ وصیت کا نفاذ موصیٰ کی موت کے بعد ہوتا ہے، اس لیے ایسے قتل سے یہ بات سمجھی جاسکتی ہے کہ موصیٰ لہ نے مال وصیت جلد حاصل کرنے کی خاطر یہ قتل کیا ہے۔ ایسی صورت میں اس پر یہ فقہی قاعدہ لاگو ہوگا: من استعجل شیئا قبل أوانه عوقب بحرمانہ^۲ (جو کسی چیز کو اس کے مقررہ وقت سے پہلے لینے کی جلدی کرے گا، اسے سزا کے طور پر اس سے محروم رکھا جائے گا)۔

۲۔ دوسری رائے یہ ہے کہ قاتل وصیت میں اپنے استحقاق سے محروم نہیں ہوتا، چاہے وہ وصیت سے پہلے قتل کرے یا بعد میں۔ یہ شافعی فقہاء کی رائے ہے۔ اس کے لیے ان کے ہاں جو استدلال پیش کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ چونکہ وصیت کسی دوسرے کو اپنے مال کا مالک بنانا ہے اور اس میں قبول کی ضرورت رہتی ہے، لہذا یہ ہبہ اور عقد بیع کی طرح ہے۔ جس طرح یہ دونوں عمل قتل کے باعث باطل نہیں ہوتے، اسی طرح وصیت بھی باطل نہیں ہوگی۔

۱۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الديات، باب القاتل لا يرث، حدیث ۲۶۳۶

۲۔ ابن سنی، الأشباه والنظائر: ۱۶۸؛ ابن نجیم، الأشباه والنظائر ۱۵۸

۳۔ تیسری رائے اکثر مالکی فقہاء کی ہے۔ ان کے ہاں قتل کی دو صورتوں کے احکام مختلف ہیں۔ اگر قتل و وصیت کے بعد کیا گیا اور موصلی اقدام قتل کے بعد کچھ دیر زندہ رہا، مگر اس کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ قتل کس نے کیا، اور اس نے وصیت میں تبدیلی بھی نہ کی تو وصیت باطل ہو جائے گی۔

اگر موصلی کو مرنے سے پہلے یہ معلوم ہو گیا تھا کہ اس پر حملہ کرنے والا موصلیٰ ہے، پھر اس نے نہ تو وصیت میں تبدیلی کی نہ اس سے رجوع کیا، تو وصیت درست قرار پائے گی۔ ان تمام آراء میں سے راجح رائے یہی معلوم ہوتی ہے کہ قاتل کو سزا کے طور پر وصیت سے محروم کر دیا جائے اس لیے کہ قاتل میراث سے بھی حصہ نہیں لے سکتا اور وصیت میراث ہی کی طرح ہے۔^۱

۶۔ موصلیٰ لہ، موصلیٰ کا وارث نہ ہو

جمہور فقہاء کے نزدیک یہ شرط وصیت کے نفاذ سے تعلق رکھتی ہے نہ اس کے انعقاد

سے۔ اس شرط کے بارے میں بھی فقہاء کے ہاں تین آراء پائی جاتی ہیں جو درج ذیل ہیں:

۱۔ پہلی رائے یہ ہے کہ وصیت وارث کے لیے کسی بھی صورت میں جائز نہ ہوگی،

چاہے باقی ورثا اس کی اجازت دے دیں۔ یہ رائے داؤد ظاہری، امام مالک اور بعض حنبلی فقہاء

کی ہے۔ یہ حضرات اپنے موقف کے حق میں نبی کریم ﷺ کی یہ حدیث پیش کرتے ہیں:

إن الله قد أعطى كل ذي حق حقه، فلا وصية لوارث^۲ (اللہ تعالیٰ نے ہر حق دار کو اس

کا حق دے دیا ہے تو اب وارث کے لیے وصیت نہیں ہے)۔

۱۔ الفقه الإسلامی وأدلته ۸: ۴۳، ۴۴

۲۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الوصایا، باب الوصیة بالثلث، حدیث ۲۷۱۳

ان کا استدلال یہ ہے کہ مندرجہ بالا حدیث صریح طور پر وارث کے لیے وصیت کا ناجائز ہونا بتلاتی ہے، اس لیے کہ ہر وارث کے لیے ترکے میں واضح طور پر حصہ متعین کر دیا گیا ہے۔ داؤد ظاہری کہتے ہیں کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے چونکہ وارث کو وصیت میں حق دار بنانے سے منع فرمایا ہے، لہذا ورثا کے لیے یہ جائز نہیں کہ ایسی چیز کو جائز قرار دیں جو اللہ تعالیٰ نے ناجائز ٹھہرائی ہے۔

۲۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وارث کے لیے وصیت کرنا جائز ہے۔ جب وصیت کی جائے تو وہ صحیح ہوگی، لیکن اس کا نفاذ باقی ورثا کی اجازت اور رضامندی پر موقوف رہے گا۔ اگر وہ اجازت دے دیں تو نافذ ہوگی ورنہ باطل ہو جائے گی۔ یہ رائے حنفی فقہاء کی ہے۔ وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جو حضرت ابن عباس سے مروی ہے: لا تجوز الوصیة لوارث إلا أن یشاء الورثة^۱ (وارث کے حق میں وصیت جائز نہیں الا یہ کہ [باقی] ورثا اس کی اجازت دیں)۔

دوسری حدیث میں حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں: لا وصیة لوارث إلا أن یجیز الورثة^۲ (وارث کے لیے وصیت نہیں سوائے اس کے کہ باقی ورثا نافذ اور درست قرار دیں)۔

ان دونوں احادیث کا مطلب یہ ہے کہ وارث کے لیے وصیت نہیں ہو سکتی، چاہے موصلیٰ بہ کی مقدار کچھ بھی ہو، سوائے اس کے کہ باقی ورثا اجازت دے دیں۔ اگر وہ اجازت نہ دیں تو وصیت باطل ٹھہرے گی اور اگر بعض نے اجازت دے دی اور بعض نے

۱۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، کتاب الوصایا، باب نسخ الوصیة للوالدین والأقربین الوارثین، حدیث ۱۲۲۳۰

۲۔ نیل الأوطار ۶: ۳۰؛ بحوالہ دارقطنی، حدیث ۳۲۵۳

اجازت نہ دی تو صرف انہی کے حصے میں سے ادا کی جائے گی جو اجازت دے دیں اور باقیوں کے حصے میں سے باطل ہو جائے گی۔

لیکن اجازت کے صحیح ہونے کے لیے دو شرطیں پائی جانی ضروری ہیں: ایک یہ کہ اجازت دینے والا وارث عاقل، بالغ ہو، مرض الموت کی حالت میں نہ ہو، اور اچھی طرح جانتا ہو کہ وصیت کس چیز کے بارے میں کی گئی ہے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ اجازت موصی کی وفات کے بعد دی جائے۔ چنانچہ موت کے بعد اگر ورثانے یہ کہا کہ ہم اجازت نہیں دیتے تو وصیت باطل ہو جائے گی۔ زندگی میں دی جانے والی اجازت معتبر نہیں۔ اجازت وہی وارث دیں گے جو موصی کی وفات کے وقت وارث ہوں۔ اگر کوئی شخص وصیت کے وقت تو وارث تھا مگر بعد میں کسی وجہ سے وارث نہیں رہا، تو وہ اجازت دینے کا حق دار نہیں، اور اگر وصیت کے وقت وارث نہ تھا مگر موت کے وقت وارث بن گیا ہو تو اجازت دینے کا اہل ہے۔^۱

۳۔ تیسری رائے جعفری اور زیدی فقہا کی ہے، جو یہ ہے کہ وصیت وارث کے لیے بھی ہر صورت میں جائز ہے، چاہے ورثا اجازت دیں یا نہ دیں۔ ان کا استدلال اس آیت سے ہے: ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةَ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ﴾ [البقرة ۲: ۱۸۰] (تم پر فرض کیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کوئی مرنے لگا ہو اور پیچھے مال چھوڑ جائے تو والدین اور قرابت داروں کے لیے اچھائی کی وصیت کر جائے)۔ وصیت کا صرف واجب ہونا منسوخ ہو گیا ہے، جبکہ وارث کے لیے وصیت کا جائز ہونا بھی بھی باقی ہے۔^۲

۱۔ الفقه الإسلامي وأدلته ۸: ۳۷-۵۰

۲۔ ایضاً، ص ۴۹

۷۔ موصیٰ نہ حربی کافر یا مرتد مسلمان نہ ہو

یہ حنفی فقہاء کی رائے ہے اور وہ قرآن مجید کی یہ آیت اس کے لیے دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں: ﴿إِنَّمَا يَنْهَاكُمْ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ قَاتَلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَأَخْرَجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوا عَلَىٰ إِخْرَاجِكُمْ أَنْ تَوَلَّوْهُمْ﴾ [الممتحنة: ۲۰: ۹] (اللہ تعالیٰ تمہیں جس بات سے روکتا ہے وہ تو یہ ہے کہ تم ان لوگوں سے دوستی کرو جنہوں نے تم سے دین کے معاملے میں جنگ کی ہے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا ہے اور تمہارے نکالنے میں ایک دوسرے کی مدد کی ہے)۔

مال وصیت کے ذریعے حربی کو تقویت اور فائدہ پہنچ سکتا ہے اور اس بات کا بھی امکان ہے کہ یہ مال مسلمانوں کے خلاف استعمال ہو، اور اس صورت میں مال وصیت صدقہ نہیں رہے گا بلکہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کا ذریعہ بن جائے گا، لہذا حربی کافر کے لیے وصیت ناجائز ہوگی۔^۱

اسی طرح احناف کے ہاں مرتد مسلمان کے لیے بھی وصیت ناجائز ہے، لیکن شافعی اور حنبلی مرتد کے لیے وصیت کو درست قرار دیتے ہیں۔ ان کے ہاں یہ بھی جائز ہے کہ مسلمان ایسے حربی کے لیے وصیت کرے جس نے اس پر احسان کیا ہو، تاکہ اس کے احسان کا بدلہ اتار سکے۔^۲

اس کے علاوہ یہ حضرات وصیت کو ہدیہ پر قیاس کرتے ہوئے بھی حربی کافر کے لیے وصیت جائز قرار دیتے ہیں اور کافر کے لیے ہدیہ جواز کے حق میں وہ یہ حدیث پیش کرتے ہیں: عن أسماء بنت أبي بكر - رضي الله عنهما - قالت: أتتني أمي راغبة في عهد

۱۔ ایضاً

۲۔ أحكام الوصية، ص ۲۸

قریش، فسألت رسول الله صلى الله عليه وسلم أصلها، قال: نعم* (حضرت اسماء بنت ابو بکر رضی اللہ عنہما کہتی ہیں: میری والدہ جو مسلمان نہیں ہوئی تھیں میرے ہاں آئیں، تو میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: کیا میں اس صورت میں اس کی خاطر مدارات کر سکتی ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، اپنی ماں کی خاطر مدارت کرو۔ اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ دار الحرب کے رہنے والوں کو تحفہ اور ہدیہ دینا جائز ہے۔

موصیٰ بہ (Subject Matter) کے شرائط

موصیٰ بہ وہ چیز ہے جس کی بابت موصیٰ وصیت کرتا ہے، اور جو موصیٰ کی ملکیت ہوتی ہے۔ موصیٰ اور موصیٰ لہ کی طرح اس میں بھی صحت و نفاذ کے لیے چند شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔ یہ شرائط درج ذیل ہیں:

۱۔ موصیٰ بہ ایسا مال ہو جو ملکیت میں لینے کے قابل ہو

اس لیے کہ وصیت نام ہے تملیک کا اور تملیک مال ہی کی ہو سکتی ہے۔ موصیٰ بہ ایسا مال یا چیز ہونی چاہیے جو وراثت میں منتقل ہو سکتی ہو اور اس میں بیع و شرا وغیرہ جیسے معاہدات بھی ہو سکتے ہوں، مثلاً نقدی، روپے، پیسے، سونا، چاندی، گھر، دکانیں، زمین، جانور، لباس، گھر کا سامان وغیرہ۔ اسی طرح ایسا قرض جو موصیٰ کا کسی کے ذمے ہو یا کسی چیز کی منفعت وغیرہ جیسے رہائش کے لیے گھریا کھیتی باڑی والی زمین سے حاصل ہونے والی آمدنی وغیرہ بھی موصیٰ بہ ہو سکتی ہے۔

چیزوں کی منفعت اگرچہ حنفی فقہاء کے نزدیک میراث نہیں بن سکتی، مگر اس کے بارے میں وصیت کرنا جائز ہے۔ اس لیے کہ زندگی میں اگر ان پر عقود ہو سکتے ہیں، تو ان کی

* بیہقی، السنن الکبریٰ، باب صدقة النافلة على المشرک ۴: ۱۹۱

وصیت بھی کی جاسکتی ہے۔ جمہور فقہاء کے ہاں منفعت میراث میں بھی منتقل ہوتی ہے، لہذا اس کی وصیت بھی جائز ہوگی۔

مال و جائداد کی منفعت کے بارے میں وصیت*

جیسا کہ بیان کیا گیا، جس طرح کوئی شخص اپنے مال کی کسی کے لیے وصیت کر سکتا ہے، اسی طرح مال و جائداد کی منفعت کی وصیت کرنا بھی اس کے لیے جائز ہے۔ مال کی منفعت سے مراد خدمت، گھر کی رہائش اور اس کی آمدن (کرایہ، وغیرہ)، زمین کی آمدن، مثلاً زرعی پیداوار یا اس سے حاصل شدہ رقم، باغوں کی آمدن اور ان کے پھل وغیرہ سے ایک تہائی مال کی وصیت کرنا جائز ہے؛ لیکن ایک تہائی منفعت کا تعین کس طرح ہوگا؟ اس بارے میں فقہاء کی دو رائیں ہیں:

حنفی اور مالکی فقہاء کے نزدیک اس مال کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا جس کی منفعت کی وصیت کی گئی ہے۔ منفعت کی قیمت کا اعتبار نہیں ہوگا۔ اگر کوئی شخص اپنے گھر کی منفعت کی وصیت کرے اور ترکہ کے ایک تہائی میں گھر کا صرف آدھا حصہ آتا ہو تو موصیٰ لہ کو آدھے گھر ہی کے منافع مل سکیں گے۔ چاہے مدت انتفاع کچھ بھی ہو۔

حنبلی اور شافعی فقہاء کے نزدیک منفعت کا اعتبار کیا جائے گا اور وصیت کے لیے ثلث کا تعین اس طرح ہوگا کہ جتنی مدت کے لیے منفعت حاصل کرنے کی موصیٰ نے اجازت دی ہے، اس مدت کی منفعت کا اندازہ لگایا جائے گا اور اس میں ثلث موصیٰ لہ کا حق ہوگا۔

* حاشیہ ابن عابدین ۱۰: ۳۳۲-۳۳۸؛ تکلمة فتح القدير ۱۰: ۵۲۰-۵۱۸؛ الشرح الكبير ۱۷: ۲۶-۳۶۳؛

مغنی المحتاج ۶۵۳-۶۴: غایة المنتهی ۲: ۳۶۲؛ بدائع الصنائع ۶: ۳۶۲-۳۵۷

حنبلی فقہاء کے ہاں ایسا صرف اس صورت میں ہوگا، جب منفعت کی مدت کا تعین
موصی نے کر دیا ہو، لیکن اگر اس مدت کا موصی نے تعین نہ کیا ہو تو اس بارے میں ان کے
ہاں دو آرا پائی جاتی ہیں:

ایک رائے حنفیہ اور مالکیہ کے موافق ہے کہ اصل مال (جس کی منفعت کی وصیت کی
گئی ہے) کا اندازہ لگایا جائے گا۔ اگر وہ ثلث ہوگا تو موصیٰ لہ اس سے فائدہ اٹھائے گا، لیکن
اگر ثلث سے زیادہ ہو اور ورثا زائد کی اجازت نہ دیں تو صرف ثلث کے برابر مال کی
منفعت سے فائدہ اٹھائے گا۔

منفعت سے فائدہ اٹھانے کے طریقے

منفعت سے فائدہ اٹھانے کے دو طریقے ہیں:

ایک یہ کہ موصیٰ لہ اس منفعت کو کسی اور کو کرائے وغیرہ پر دے دے، یا اگر پھل
وغیرہ ہوں تو بیچ دے اور اس کے نفع سے فائدہ اٹھائے۔ دوسرا یہ کہ موصیٰ لہ اس منفعت
کو خود اپنے لیے استعمال کرے۔

منفعت سے فائدہ اٹھانا وصیت کے مطابق مختلف ہو سکتا ہے۔ اگر وصیت میں کسی
خاص طریقے سے فائدہ اٹھانے کی قید نہ لگائی گئی ہو تو موصیٰ لہ کو اختیار ہے کہ جیسے چاہے اس
سے فائدہ اٹھائے، چاہے تو خود استعمال کرے، مثلاً گھر میں خود رہے اور زمین پر خود کھیتی
باڑی کرے اور فصل سے فائدہ اٹھائے یا پھر دونوں کو کرائے پر کسی اور کو دے دے اور خود
اس کرایہ سے فائدہ اٹھائے۔ لیکن اگر موصیٰ نے کسی مخصوص طریقے سے استعمال کی قید
لگادی ہو تو اس بارے میں دو آرا پائی جاتی ہیں:

حنفی فقہاء کہتے ہیں کہ اگر موصیٰ قید لگا دے کہ اس گھریا زمین کو موصیٰ لہ خود استعمال
کرے، تو اس کے لیے لازم ہے کہ خود ہی استعمال کرے کسی کو کرائے / اجرت پر دینا جائز نہ

ہو گا۔ لیکن اگر یہ کہے کہ کرائے پردے یا اس کی اجرت سے فائدہ اٹھائے تو اس صورت میں موصلیٰ لہ کے لیے جائز ہو گا کہ دونوں میں سے جس طریقے سے چاہے فائدہ اٹھائے۔

شافعی اور حنبلی فقہا کہتے ہیں کہ موصلیٰ لہ کو ہر طرح سے منفعت سے فائدہ اٹھانے کا اختیار ہے۔ چاہے موصلیٰ نے قید لگا دی ہو یا نہ لگائی ہو۔

مشترکہ منفعت سے فائدہ اٹھانے کی صورت

اگر منفعت موصلیٰ لہ اور موصلیٰ کے ورثا کے مابین مشترکہ ہو، (مثلاً موصلیٰ نے اپنے نصف گھر کی منفعت کے بارے میں وصیت کی) یا منفعت میں دو یا دو سے زائد موصلیٰ لہ شریک ہوں تو منفعت کی تقسیم تین طریقوں سے کی جاسکتی ہے۔ یہ تین طریقے درج ذیل ہیں:

۱۔ منفعت سے حاصل ہونے والی اجرت تقسیم کی جائے۔ مثلاً گھر کرائے پر دیا جائے یا زمین پر کھیتی باڑی کرائی جائے اور جو آمدن حاصل ہو، وہ سب کے درمیان ان کے حصوں کے مطابق تقسیم کر دی جائے۔

۲۔ اگر وہ زمین یا گھر وغیرہ جس کی منفعت کی بابت وصیت کی گئی ہے تقسیم کیا جاسکتا ہو اور اس میں ورثا کو کوئی ضرر بھی نہ پہنچے تو اس کو تقسیم کر دیا جائے اور ہر کوئی اپنے حصے کے مال سے جیسے چاہے فائدہ اٹھائے۔

۳۔ مال کو زمانی یا مکانی اعتبار سے باری کے اصول کے مطابق تقسیم کر دیا جائے۔

* الفقہ الاسلامی وأدلته ۸: ۱۱۶-۱۱۹، (بحوالہ حسن أحمد الخطیب، الفقہ المقارن، ص ۲۲۱-۲۳۱؛ عیسوی احمد

عیسوی، الوصیة، ص ۱۳۰؛ مصطفیٰ السباعی، الوصیة، ص ۱۲۶)

زمانی تقسیم: یہ کہ سارا مال یا چیز جس کی منفعت کی وصیت کی گئی ہے شرکاء میں سے ایک شریک کو ایک مدت تک کے لیے دے دی جائے کہ وہ اس سے فائدہ اٹھائے پھر اتنی ہی مدت کے لیے دوسرے شریک کو دے دی جائے۔

مکانی تقسیم: یہ کہ مال کو اجزا میں تقسیم کر دیا جائے۔ پھر ہر شریک اپنے جز سے کچھ مدت فائدہ اٹھائے، اس کے بعد تمام شریک اپنے اپنے اجزا آپس میں تبدیل کر لیں۔

لیکن اگر وہ منفعت ناقابل تقسیم ہو اور اس میں باری کے اصول پر عمل ممکن نہ ہو تو ایسی صورت میں شرکاء کے لیے اس کی تقسیم قاضی کے اجتہاد پر موقوف ہوگی کہ وہ احکام شریعت کے مطابق اس میں فیصلہ کرے۔

موصیٰ لہ کا منفعت سے فائدہ حاصل نہ کر سکتا

کبھی ایسے اسباب پیش آسکتے ہیں جب موصیٰ لہ منفعت سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا ایسی صورت میں کیا حکم ہوگا؟

۱۔ جب فائدہ نہ اٹھا سکنے کا سبب موصیٰ کے بعض ورثا ہوں: ایسی صورت میں شافعی اور حنفی فقہا کہتے ہیں روکنے والے ورثا موصیٰ لہ کو اس کا معاوضہ دیں گے۔ یہ معاوضہ اتنی مدت کے بدلے ہوگا جس میں وہ منفعت سے فائدہ اٹھانے سے محروم رہا۔

۲۔ جب فائدہ نہ اٹھا سکنے کا سبب موصیٰ کے تمام ورثا ہوں: اس صورت میں شافعی فقہا کہتے ہیں کہ موصیٰ لہ کے لیے دو چیزوں میں اختیار ہوگا۔ ایک تو یہ کہ ورثا سے معاوضے کا مطالبہ کرے۔ دوسرا یہ کہ وہ اس مال کی منفعت سے اتنی ہی مدت فائدہ اٹھائے جتنی مدت ورثا کے سبب اس سے فائدہ نہ اٹھا سکا، جبکہ حنفی فقہا کہتے ہیں کہ اس کے لیے صرف معاوضہ ہے۔ جبکہ اس منفعت کا مزید مدت کے لیے اٹھانا کسی صورت میں بھی صحیح نہ ہوگا۔ کیونکہ جتنی مدت کے لیے وصیت کی گئی تھی وہ مدت ختم ہو چکی ہے۔ اگر فائدہ اٹھا سکنے کا سبب ورثا نہ ہوں بلکہ کوئی اور سبب ہو اور مدت ختم ہو جائے تو ورثا سے کچھ بھی مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔

منفعت سے متعلق وصیت کی مدت کا ختم ہونا

ایسے اموال جن کی منفعت کی بابت وصیت کی گئی ہو ان کی ملکیت وصیت کی مدت کے اعتبار سے ہوگی۔ اگر وصیت میں ان اموال سے فائدہ اٹھانے کی کوئی مدت مقرر نہیں کی گئی، اور منفعت کی صورت ایسی ہے کہ اس کے ختم ہونے کی امید نہیں ہے تو یہ اموال وقف قرار پائیں گے اور موصیٰ لہ ہمیشہ ان سے فائدہ اٹھاتے رہیں گے۔

اگر وصیت ایک مخصوص مدت کے لیے کی گئی ہو یا منفعت کی صورت ایسی ہو کہ وہ ایک خاص مدت کے بعد ختم ہو جائے تو یہ اموال موصیٰ کے ورثا کی ملکیت ہوں گے اور موصیٰ الہم ان سے مخصوص مدت تک فائدہ اٹھائیں گے جس کے بعد ورثا ہی ان سے فائدہ اٹھائیں گے۔

کیا اموال کے مالک کے لیے ان میں تصرف کرنا جائز ہوگا؟

وہ اموال جن کی منفعت کی بابت وصیت کی گئی ہو ان میں تصرف کے بارے میں دو آرا پائی جاتی ہیں:

حنفی فقہا کہتے ہیں کہ ان اموال کے مالک کے لیے ان میں از خود تصرف کی اجازت نہیں ہے۔ مثلاً موصیٰ لہ سے اجازت لیے بغیر وہ انہیں بیچ نہیں سکتا اس لیے کہ وہ اس سے فائدہ اٹھا رہا ہے اور بیچنے کی صورت میں وہ اپنے حق سے محروم ہو جائے گا۔ لہذا اس کی اجازت ضروری ہے۔

جمہور فقہا کی رائے یہ ہے کہ مالک کو ان اموال میں سے ہر طرح سے تصرف کا حق حاصل ہے مگر اس کی منفعت کا حق دار موصیٰ لہ ہی رہے گا۔ چاہے ان اموال کا مالک کوئی بھی بن جائے۔

وہ اموال جن کی منفعت کی بابت وصیت کی گئی ہو ان کا نفقہ کس پر ہوگا؟

حنفی اور حنبلی فقہا کہتے ہیں کہ ان اموال پر جب بھی خرچ کی ضرورت ہوگی وہ موصیٰ لہ ادا کرے گا، اس لیے کہ وہ ہی اس سے فائدہ اٹھا رہا ہے۔ اگر وہ ادا نہ کرے اور مالک ادا کرے تو وہ ان اموال کی منفعت سے اتنا فائدہ اٹھا سکے گا جتنا اس نے خرچ کیا ہو۔ البتہ اگر ان اموال سے کوئی منفعت حاصل نہ ہوتی ہو، مثلاً بنجر زمین وغیرہ تو اس کا خرچہ مالک ہی پر ہوگا۔ شافعی فقہا کی رائے یہ ہے کہ چاہے منفعت حاصل ہو یا نہ اس کا خرچہ مالک ہی کو ادا کرنا ہوگا۔*

۲۔ موصیٰ بہ مال متقوم ہو

مال کی شریعت کی رو سے دو قسمیں ہیں:

ا۔ مال متقوم: ایسا مال جسے ملکیت میں لینا اور اس سے فائدہ اٹھانا مسلمان کے لیے جائز

ہے۔

ب۔ مال غیر متقوم: ایسا مال جسے ملکیت میں لینا اور اس سے فائدہ اٹھانا مسلمان کے

لیے حرام اور کھانا ناجائز ہے، جیسے شراب اور خنزیر وغیرہ۔

مسلمان کے لیے یہ ہرگز جائز نہیں کہ وہ ایسے مال کی بابت وصیت کرے جو غیر متقوم

ہو، نہ ہی کسی غیر مسلم کے لیے جائز ہے کہ وہ کسی مسلمان کے لیے ایسے مال کی بابت وصیت

کرے۔ لیکن غیر مسلم کسی دوسرے غیر مسلم کے لیے ایسی وصیت کر سکتا ہے، کیونکہ ان

کے ہاں یہ بھی مال ہی سمجھا جاتا ہے۔

* الفقه الإسلامی وأدلته ۸: ۹۳-۹۴

حنفی فقہاء کے ہاں شکاری کتوں اور دوسرے ایسے شکاری جانوروں کی وصیت کرنا جائز ہے، جنہیں انسان اپنے فائدے (یعنی شکار وغیرہ) کے لیے استعمال کر سکتا ہے۔ * اسی طرح شافعی فقہاء کے ہاں ایسے مال کی بابت وصیت کرنا بھی جائز ہے جس سے حاصل کیا جانے والا نفع مباح ہو، چاہے وہ مال مقوم نہ ہو، مثلاً شکاری کتا، یا ایسا کتا جو حفاظتی نقطہ نظر سے رکھا گیا ہے۔

سونے چاندی کے برتنوں کی وصیت کرنا بھی درست ہے، اس لیے کہ اگرچہ ان کا استعمال کرنا تو جائز نہیں ہے، مگر ان سے زیور وغیرہ بنوا کر بیچ کر نفع حاصل کیا جاسکتا ہے۔

۳۔ موصیٰ بہ "تملیک" کے قابل ہو، اگرچہ وصیت کے وقت موجود نہ ہو

یعنی موصیٰ بہ ایسا مال ہو جس کے بارے میں ایسا معاہدہ ہو سکتا ہو جو شرعی طور پر جائز ہو، یا وہ میراث بن سکتا ہو۔

لہذا مال منقولہ کی بابت وصیت کرنا بھی درست ہے، جیسے سامان اور نقدی وغیرہ، اس لیے کہ بیع و شرا یا ہدیہ اور تحفہ وغیرہ کی صورت میں دوسرا شخص اس کا مالک بن سکتا ہے۔ اسی طرح کسی چیز کی منفعت کی بابت وصیت کرنا بھی درست ہے، جیسے اپنے گھر میں رہائش کی اجازت دینا یا اپنی سواری استعمال کرنے کی اجازت دینا؛ اس لیے کہ کرایہ وغیرہ کے ذریعے عارضی مدت کے لیے ان چیزوں کا مالک بنا جاسکتا ہے۔ اسی طرح اس پھل کے بارے میں بھی وصیت کی جاسکتی ہے جو درختوں پر آئندہ موسم میں لگے گا۔ گائے بکری وغیرہ کے بچے کے بارے میں بھی وصیت کرنا جائز ہے لیکن اگر بچہ وصیت کے وقت اپنی ماں کے بطن میں نہ ہو تو حنفی فقہاء کے نزدیک ایسی وصیت جائز نہ ہوگی۔ اس لیے کہ زندگی میں موصیٰ (معدوم ہونے کی وجہ سے) ایسے بچے کی بابت کوئی عقد یا معاہدہ وغیرہ نہیں کر سکتا۔ جبکہ

* بدائع الصنائع ۶: ۳۵۸؛ حاشیہ ابن عابدین ۱۰: ۲۹۹، ۳۱۲؛ ابن جزئی، القوانین الفقہیۃ، ص ۳۰۵؛ المغنی

۶: ۵۹، ۶۳؛ کشاف القناع ۳: ۳۰۷-۳۱۸

جمہور کے ہاں موصلیٰ بہ کا موصلیٰ کی وفات کے وقت موجود ہونا لازم ہے، چاہے وصیت کے وقت موجود ہو یا نہ ہو۔ لیکن چیزوں کی منفعت کے متعلق یہ شرط نہیں ہے کہ وہ وصیت یا موت کے وقت موجود ہو۔

۴۔ موصلیٰ بہ وصیت کے وقت موصلیٰ کی ملکیت میں ہو

یہ شرط اس بنا پر عائد کی گئی ہے کہ انسان کسی کو ایسی چیز کا مالک نہیں بنا سکتا جس کا وہ خود مالک نہ ہو۔ اگر بکر یہ کہے کہ میں زید کے مال کی بابت وصیت کرتا ہوں، تو ایسی وصیت جائز نہ ہوگی کیونکہ وصیت کے وقت وہ زید کے مال کا مالک نہیں تھا، اگرچہ بعد میں زید کا مال اس کی ملکیت میں کیوں نہ آجائے۔ اس لیے کہ یہ صیغہ (وصیت کے الفاظ) درست نہیں۔

۵۔ موصلیٰ بہ شرعی طور پر حرام نہ ہو

وصیت کا مقصد یہ ہے کہ انسان سے زندگی میں جو کمی کو تاہی یا گناہ وغیرہ سرزد ہو گئے ہوں وہ اس کے ذریعے ان کی تلافی کر سکے۔ جبکہ حرام کام کے لیے کی گئی وصیت کی صورت میں ایسا ممکن نہیں ہے، بلکہ یہ مزید گناہ کا موجب بن جائے گی۔ ایسی وصیت کے بارے میں مختلف فقہی مذاہب میں مختلف مثالیں بیان کی گئی ہیں، جن میں چند ایک درج ذیل ہیں:

حنفی فقہ: ایسی کمائی یا کام کی وصیت کرنا جس کے لیے نوحہ کرنے والی جمع ہوتی ہیں، یا قبر کو پختہ کرنے کے لیے مال کی وصیت کرنا، یا یہ وصیت کرنا کہ میرا مال خرچ کر کے میرے لیے مہنگا کفن خریداجائے، یا میری قبر پر قرآن پڑھنے والے کو اتنا مال دیا جائے وغیرہ۔ ایسی تمام وصیتیں باطل ہوں گی۔ اسی طرح یہ وصیت کرنا کہ مجھے اپنے گھر میں دفن کیا جائے تو یہ وصیت بھی باطل ہوگی۔*

* الدر المختار ورد المحتار، دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۹۹۸ء، ۱۰: ۳۲۶، ۳۲۷

مالکی فقہ: مال کی بابت یہ وصیت کرنا کہ اس سے شراب پینے والا شراب خرید سکے، ایسے شخص کو دینا جو کسی کو ناحق قتل کرے، ایسی زمین میں مسجد یا مدرسہ بنانے کی وصیت کرنا جو قبرستان کے لیے وقف ہو، یا کسی کی قبر پر گنبد وغیرہ بنانے کی وصیت کرنا؛ یہ تمام وصیتیں باطل ہوں گی۔ موصی بہ میراث میں داخل ہو جائے گا اور ورثا کو اختیار ہے کہ موصی بہ کو جیسے چاہیں خرچ کریں۔ لیکن حنفی فقہاء کے برعکس مالکی فقہاء اس بات کی اجازت دیتے ہیں کہ قبر پر قرآن پڑھنے والے کو مال دینے کی وصیت کی جاسکتی ہے۔ اسی طرح کفن و دفن وغیرہ کے اخراجات کے لیے وصیت کرنا بھی درست ہے۔^۱

شافعی فقہ: گر جاگھر کے لیے وصیت کرنا، اہل حرب کے لیے اسلحہ کی وصیت کرنا، یا گناہ کے کاموں کے لیے عمارت کی تعمیر کی وصیت کرنا، جیسے شراب خانے، جوا خانے وغیرہ، آلات موسیقی وغیرہ خریدنے کی وصیت کرنا، جادو ٹونے اور گمراہی، بدعات اور الحاد پھیلانے والی کتابوں کی تیاری اور اشاعت کے لیے رقم کی وصیت کرنا۔ ایسی تمام وصیتیں باطل ٹھہریں گی۔^۲

حنبلی فقہ: ان تمام کاموں پر مال خرچ کرنے کی وصیت کرنا جن سے شریعت میں منع کیا گیا ہے، مثلاً قبروں پر گنبد اور عمارتیں وغیرہ تعمیر کرنا، گر جاگھریا آتش پرستوں وغیرہ کی عبادت گاہ تعمیر کرنا یا ان پر خرچ کرنا۔ ان تمام صورتوں میں وصیت باطل ہوگی، لیکن مسجد کی تعمیر و مرمت اور اس کے اخراجات کے لیے وصیت کرنا درست ہے۔ اسی طرح قرآن پاک کی تعلیم اور دیگر جائز علوم کی تعلیم کے لیے مال کی وصیت کرنا بھی درست ہے۔^۳

۱- الشرح الکبیر مع حاشیة الدسوقی ۳: ۲۲۷

۲- المہذب ۱: ۳۵۱

۳- الفقہ الإسلامی وأدلته ۸: ۵۶ (بحوالہ المغنی، کشف القناع...)

۶۔ موصلی پر اتنا قرض نہ ہو کہ تمام مال ادا کرنے سے ہی ادا ہو

تجہیز و تکفین کے بعد سب سے پہلی چیز مرنے والے کا قرض ادا کرنا ہے۔ اگر اس کے بعد مال بچ جائے تو وصیت اور پھر میراث کی تقسیم کی جائے گی۔ چنانچہ اگر سارا مال ہی قرض ادا کرنے کی نذر ہو جائے تو ایسی صورت میں وصیت قابل نفاذ نہیں ہوگی۔ البتہ اگر قرض خواہ وصیت پوری کرنے کی اجازت دے دیں تو وصیت پوری کی جائے گی، ورنہ باطل ہو جائے گی۔^۱ اس کی کچھ تفصیل پیچھے "موصلی کے لیے شرائط" کے تحت گزر چکی ہے۔

۷۔ موصلی بہ (وصیت) متروکہ مال کے ایک تہائی سے زائد نہ ہو

علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ وصیت مال کے ایک تہائی حصے سے زائد نہیں ہونی چاہیے۔ جیسا کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی حدیث میں بیان ہوا۔ اگر وصیت ایک تہائی سے زائد ہو تو وہ ورثہ کی اجازت پر موقوف رہے گی (اجازت کا اعتبار کب ہوگا اور کس کی اجازت معتبر ہوگی؟ یہ پہلے بیان ہو چکا ہے)۔ اس لیے کہ اگر ورثہ موجود ہوں تو ایک تہائی کے سوا باقی مال پر ان کا حق ہوگا، لہذا ان سے اجازت لینا ضروری ہوگا۔ لیکن اگر موصلی کا کوئی وارث نہ ہو تو کسی کا حق بھی باقی مال پر نہ ہوگا، اس لیے موصلی کی پوری وصیت جوں کی توں نافذ ہوگی۔

مالکی اور شافعی فقہا کہتے ہیں کہ وصیت اگر ایک تہائی مال سے زائد ہو اور میت کا کوئی وارث نہ ہو تو وصیت باطل ہو جائے گی۔ اس لیے کہ اس کا متروکہ مال اب مسلمانوں کی میراث ہے اور مسلمانوں میں سے کوئی اجازت دینے والا نہیں، لہذا ایک تہائی سے زائد مال کے بارے میں وصیت باطل ہوگی۔^۲

۱۔ ایضاً

۲۔ المہذب ۱: ۴۸۰؛ بدائع الصنائع ۶: ۴۳۰؛ الشرح الصغیر ۴: ۵۸۶

بہتر یہی ہے کہ انسان پورے مال کے ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت نہ کرے، چاہے ورثا مال دار ہوں یا نادار۔ بلکہ بہتر یہ ہے کہ موصلیٰ بہ ایک تہائی مال سے بھی کم ہو، اس لیے کہ نبی ﷺ نے جب ایک تہائی کی اجازت دی تو فرمایا کہ تہائی بھی زیادہ ہے۔

ایک تہائی مال اور وصیت

اگر موصلیٰ لہ ایک سے زائد ہوں اور ایک تہائی ترکہ میں سے تمام وصیتیں پوری نہ ہو سکتی ہوں یا ورثا ایک تہائی سے زائد کی اجازت دے دیں، مگر تمام ترکہ میں سے بھی وصیتیں پوری نہ ہو سکتی ہوں تو ان کا نفاذ کس طرح کیا جائے گا؟

ایسی صورت میں یہ وصیت درج ذیل میں سے کسی ایک صورت کے تحت آسکتی ہے:

- ۱۔ تمام وصیتیں بندوں کے لیے ہوں، مثلاً: زید، خالد، عمر وغیرہ۔
- ۲۔ تمام وصیتیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہوں مثلاً: حج کی وصیت / کفارہ کی وصیت وغیرہ۔
- ۳۔ ان میں سے کچھ بندوں کے لیے اور کچھ اللہ تعالیٰ کے لیے ہوں۔

ایسی وصیتوں کے بارے میں فقہا کی آرا درج ذیل ہیں:*

• جب وصیتیں صرف بندوں سے تعلق رکھتی ہوں

جب کوئی شخص مختلف متعین اشخاص کے لیے وصیت کرے، اور یہ وصیت ایک تہائی سے تجاوز کر جائے جبکہ ورثا زائد مال کے بارے میں اجازت تو دے دیں، مگر وصیت ترکہ سے بھی زیادہ ہو تو اس صورت میں دو حالتیں ہوں گی:

۱۔ کوئی وصیت ثلث (ایک تہائی) سے تجاوز نہ کرتی ہو، مثلاً ایک شخص کے لیے چھٹا حصہ، دوسرے کے لیے چوتھائی اور تیسرے کے لیے تہائی ہو۔ اس صورت میں ہر ایک کو

* المغنی ۸: ۲۳۳-۲۳۴؛ حاشیة ابن عابدین ۱۰: ۲۹۲

کل ترکہ کے ثلث میں سے حصہ دیا جائے گا۔ ثلث کو نو پر تقسیم کیا جائے گا۔ پھر پہلے شخص کو دو حصے دوسرے کو تین اور تیسرے کو چار حصے دیے جائیں گے۔

ب۔ ایک ثلث سے زائد ہو۔ مثلاً ایک شخص کے لیے ایک تہائی اور دوسرے کے لیے آدھے مال کی وصیت ہو۔ اس صورت میں فقہاء کے ہاں دو آرا پائی جاتی ہیں:

امام ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ ترکہ کا ایک تہائی دونوں کے درمیان آدھا آدھا تقسیم کر دیا جائے گا، اس لیے کہ اگر وصیت ثلث سے زائد ہو جائے اور وراثت اس کی اجازت نہ دیں تو زائد مقدار باطل ہو جائے گی، لہذا اب دونوں وصیتیں ثلث میں سے ہوں گی اور ترکہ کا ثلث دونوں میں برابر تقسیم کر دیا جائے گا۔

امام ابو یوسف، امام محمد اور باقی ائمہ کہتے ہیں کہ اس صورت میں بھی تقسیم اسی طرح ہوگی جس طرح پہلی صورت میں ہوئی، یعنی ترکہ کا ایک تہائی دونوں کے حصے کے مطابق ان میں تقسیم کیا جائے گا اس طرح کہ ایک ثلث میں سے ثلث پائے گا اور دوسرا نصف۔

• جب تمام وصیتیں اللہ تعالیٰ کے لیے کی گئی ہوں

ایسی وصیتوں کی تین صورتیں ہوں گی:

۱۔ یا تو وہ تمام ایک ہی درجہ کی ہوں گی، مثلاً تمام فرائض ہوں گے جیسے حج / زکاۃ وغیرہ۔

۲۔ یا وہ سب کی سب مختلف درجوں کی ہوں گی، مثلاً فرض، واجب، سنت وغیرہ۔

۳۔ یا ان میں سے کچھ ایک درجے کی کچھ دوسرے درجے کی ہوں گی، مثلاً دو سنت دو فرض۔

اگر یہ سب ایک ہی درجے کی ہوں، جیسے ساری ہی فرض یا ساری ہی واجب یا ساری ہی سنت ہوں، تو امام ابو حنیفہ اور صاحبین کے نزدیک پہلے وہ پوری کی جائیں جن کا میت نے پہلے ذکر کیا ہو۔ مثلاً یہ کہا کہ حج اور زکاۃ تو پہلے وہ ادا کی جائے گی۔ یا یہ کہا کہ زکاۃ اور روزے کا کفارہ تو پہلے

زکاۃ ادا کی جائے گی۔ * اور اگر مختلف رتبوں / درجوں کی ہوں تو پہلے فرض پھر واجب اور پھر سنت و صیتیں ادا کی جائیں گی۔

• جب کچھ وصیتیں اللہ کے لیے اور کچھ بندوں کے لیے ہوں

اس صورت میں ثلث کو مساوی طور پر تمام وصیتوں کے مابین تقسیم کیا جائے گا، مثلاً حج، زکاۃ، کفارے اور زید کے لیے وصیت کی، تو اس میں سے چوتھائی حصہ حج کے لیے، چوتھائی زکاۃ کے لیے چوتھائی کفارے کے لیے اور چوتھائی زید کے لیے ہوگا۔ جبکہ امام ابو یوسف اور امام محمد کی رائے یہ ہے کہ اگر ورثا ایک تہائی مال سے زائد میں وصیت کی تفیذ کی اجازت نہ دیں تو ایک تہائی مال ہی کو ہر ایک کے حصے کے مطابق تقسیم کیا جائے گا، مثلاً اگر کسی نے دو وصیتیں کیں؛ ایک کے لیے نصف مال اور دوسرے کے لیے ایک تہائی کی، تو ترکہ میں سے ایک تہائی مال الگ کر کے اس کے پانچ حصے کیے جائیں گے، ان میں سے پہلے کو تین اور دوسرے کو دو حصے ملیں گے۔

وصیت کے باطل ہونے کے اسباب

وصیت کچھ اسباب و وجوہات کی بنا پر باطل ہو جاتی ہے۔ یہ اسباب یا تو مووسیٰ کی طرف سے پیدا ہوتے ہیں یا مووسیٰ لہ کی طرف سے یا پھر مووسیٰ بہ میں پائے جاتے ہیں۔ ان کی تفصیل درج ذیل ہے:*

۱۔ مووسیٰ کو جنون طاری ہو جانا

حنفی فقہا کہتے ہیں کہ اگر مووسیٰ کو جنون لاحق ہو جائے تو وصیت باطل ہو جائے گی، اگرچہ وہ موت سے پہلے صحت یاب ہو جائے۔ ایسا جنون جو وصیت کو باطل کر دیتا ہے، اس کی مدت امام ابو یوسف کے ہاں ایک ماہ سے زیادہ رہنے والا جنون ہے، جبکہ امام محمد کہتے ہیں کہ وصیت کو وہ جنون باطل کرتا ہے جو ایک سال یا اس سے زائد عرصے تک جاری رہے۔ لیکن اگر جنون ایک ماہ سے کم (امام ابو یوسف کی رائے کے مطابق) یا ایک سال سے کم (امام محمد کی رائے کے مطابق) جاری رہے تو وصیت باطل نہ ہوگی۔

جبکہ جمہور فقہا کی رائے میں جنون سے وصیت باطل نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ تملیک کا اہل ہونا معاہدے کے انعقاد کے وقت مطلوب ہے۔ اگر بعد میں یہ اہلیت کسی وجہ سے زائل ہو جائے تو معاہدہ پر اس کا اثر نہیں ہوتا۔

* البدائع ۷: ۳۹۳؛ الشرح الصغیر ۴: ۵۸۳-۵۸۷؛ مغنی المحتاج ۳: ۳۹، ۷۱ وما بعد؛ کشاف القناع ۴:

۴۱۸؛ الفقه الإسلامی وأدلته ۸: ۱۱۱ وما بعد

۲۔ موصی کا مرتد ہو جانا

حنفی، شافعی اور مالکی فقہاء کے ہاں موصی کے مرتد ہو جانے سے وصیت باطل ہو جاتی ہے۔ مالکی فقہاء کہتے ہیں کہ وصیت موصی لہ کے مرتد ہو جانے سے بھی باطل ہو جاتی ہے۔ حنبلی فقہاء کے ہاں مرتد کی وصیت درست ہے۔

۳۔ وصیت کا پورا نہ ہونا

اگر موصی نے وصیت کو کسی شرط کے ساتھ مشروط کر دیا اور وہ شرط پوری نہ ہوئی تو وصیت باطل ہو جائے گی۔ مثلاً اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اگر میں اس مرض میں وفات پا جاؤں یا فلاں شہر یا فلاں سفر میں مر جاؤں، تو فلاں کے لیے میرے مال میں سے اتنا حصہ ہے۔ پھر وہ اس مرض یا اس شہر یا اس سفر میں نہ مرا تو وصیت باطل ہو جائے گی، کیونکہ شرط پوری نہ ہوئی۔

۴۔ وصیت سے رجوع

فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ وصیت سے رجوع کر لینے سے یہ باطل ہو جاتی ہے۔ اس لیے کہ یہ عقد لازم نہیں اور اس کا نفاذ موصی کی موت کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔ لہذا موصی کے ایجاب سے موصی لہ کا کوئی حق اس کے مال میں ثابت نہیں ہو سکتا جب تک وہ قبول نہ کرے، اور قبول موت کے بعد ہی ہو سکتا ہے، چنانچہ موصی کو اختیار ہے کہ وصیت کو باقی رہنے دے یا باطل کر دے۔

فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ وصیت ایک ایسا معاملہ یا معاہدہ ہے جس میں تغیر و تبدل بھی ہو سکتا ہے اور اس سے رجوع بھی کیا جاسکتا ہے۔ نیز موصی کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ زندگی میں کسی بھی وقت وہ اپنی وصیت کے کسی بھی حصے یا تمام وصیت سے رجوع کر لے،

۱۔ فتح القدیر ۱۰: ۲۶۹

چاہے اس نے وصیت تن درستی کی حالت میں کی ہو یا بیماری میں۔ جیسا کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا:
یغیر الرجل ما شاء من وصیته* (انسان اپنی وصیت میں جو چاہے تبدیلی کر سکتا ہے)۔

ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وصیت تحفہ یا ہدیہ ہے، جو کہ ابھی دیا نہیں گیا بلکہ موت کے بعد پورا ہوگا۔ لہذا اس کے پورا ہونے سے قبل اس میں ترمیم و اضافہ کرنا یا اسے ختم کر دینا جائز ہے۔ اسی طرح وصیت ایجاب ہے جو کہ قبول سے ہی موصیٰ لہ کی ملکیت میں آتا ہے۔ لہذا اگر قبول سے قبل ایجاب کو باطل کر دیا جائے تو ایسا کرنا جائز ہے، جیسا کہ بیع و شرا میں ہوتا ہے اور جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہو کہ قبول موصیٰ کی وفات کے بعد ہی معتبر ہوتا ہے۔ رجوع کی درج ذیل دو صورتیں ہو سکتی ہیں:

۱۔ رجوع صراحتاً ہو۔ مثلاً زبان سے کہے: میں فلاں کے لیے کی گئی اپنی وصیت سے دست بردار ہوتا ہوں، رجوع کرتا ہوں / چھوڑتا ہوں، باطل کرتا ہوں، یا وہ مال جس کی میں نے فلاں کے لیے وصیت کی تھی وہ اب میرے ورثا کا ہے۔ یہ سب باتیں وصیت سے صراحتاً رجوع شمار ہوں گی۔

اگر یہ کہے: میں فلاں کے لیے کی گئی اپنی وصیت پر نادم ہوں، یا میں نے بہت جلد بازی کی، یا ہر وہ وصیت جو میں نے فلاں کے لیے کی حرام ہے۔ یہ سب باتیں وصیت سے رجوع نہیں سمجھی جائیں گی۔

۲۔ وصیت سے رجوع کی دوسری صورت دلالت ہوگی۔ یعنی موصیٰ بہ میں کوئی ایسا تصرف کرے جس سے یہ سمجھا جائے کہ موصیٰ نے وصیت سے رجوع کر لیا ہے۔ یہ تصرف دو قسم کا ہو سکتا ہے:

* ابن ابی شیبہ، المعنف، کتاب الوصایا، باب الرجل یوصی بالوصیۃ، ثم یرید أن یغیرھا، حدیث ۴۳۹۲؛

المغنی، کتاب الوصایا، فصل الوصیۃ لرجل بمعین والرجوع عنہ ۶: ۵۱۶

ا۔ ہر ایسا تصرف جو موصلیٰ بہ سے موصلیٰ کی ملکیت کو ختم کر دے۔ مثلاً موصلیٰ بہ کو فروخت کر دینا، ہبہ کر دینا، صدقہ کر دینا یا مہر وغیرہ کے طور پر دے دینا۔ اگر موصلیٰ بہ موصلیٰ کی ملکیت بن جائے تو اس صورت میں کیا وہ دوبارہ موصلیٰ بہ تصور کیا جائے گا؟ اس بارے میں دو آرا ہیں۔ جمہور کی رائے میں ایسا ہونے سے یہ مال موصلیٰ بہ تصور نہیں کیا جائے گا؛ جبکہ مالکی فقہاء کی رائے میں اگر ایسا ہو گیا تو وصیت دوبارہ سے بحال ہو جائے گی۔

ب۔ ایسا تصرف جو وصیت سے رجوع پر دلالت کرے۔ یہ دو قسم کا ہو سکتا ہے: ایک وہ جس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ یہ رجوع پر دلالت کرتا ہے، اور وہ ہے موصلیٰ بہ کا خرچ یا ختم ہو جانا۔ مثلاً موصلیٰ بہ جانور کو ذبح کر دینا، موصلیٰ بہ کا کپاس سے کپڑا بن لینا؛ یعنی ایسا تصرف جو موصلیٰ بہ کی حقیقت کو بدل دے اور وہ کوئی اور چیز بن جائے۔ چاہے یہ تصرف از خود رونما ہو جائے یا موصلیٰ کی جانب سے واقع ہو۔

دوسرا تصرف وہ ہے جس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ وہ اس سے رجوع سمجھا جائے گا یا نہیں۔ وہ یہ ہے کہ موصلیٰ بہ میں کوئی ایسا تصرف واقع ہو کہ اس کے بغیر موصلیٰ بہ موصلیٰ لہ کے سپرد نہ کیا جاسکتا ہو۔ مثلاً کپڑے کو رنگ دینا، زمین پر گھر بنا لینا یا درخت وغیرہ اگا دینا یا آٹے کا گھی وغیرہ کے ساتھ مل جانا۔*

جمہور کہتے ہیں کہ تصرف کی یہ قسم رجوع پر ہی دلالت کرتی ہے؛ جبکہ مالکی فقہاء کے ہاں ایسا تصرف اس وقت تک رجوع نہیں سمجھا جائے گا، جب تک کوئی اور چیز اس بات پر دلالت نہ کرے کہ ایسا کرنے سے موصلیٰ کا مقصد وصیت سے رجوع تھا۔ مالکی فقہاء موصلیٰ بہ میں تصرف کرنے کو وصیت سے رجوع کے معنی میں نہیں لیتے، الا یہ کہ موصلیٰ بہ میں اس قدر تبدیلی آجائے کہ اصل باقی نہ رہے، یا وہ مکمل طور پر خرچ ہو جائے یا کوئی ایسا قرینہ موجود ہو

* بدائع الصنائع ۶: ۵۱۵

جس سے یہ پتا چلتا ہو کہ موصی کا اس فعل سے مقصد وصیت سے رجوع کرنا تھا۔ البتہ صریح قول کے بارے میں ان کی رائے وہی ہے جو جمہور کی ہے۔ لیکن اگر موصی نے موصیٰ بہ میں زیادتی یا کمی کی تو اس سے یہ نہیں سمجھا جائے گا کہ اس نے وصیت سے رجوع کر لیا ہے۔ شافعی اور حنبلی فقہاء کے ہاں موصیٰ بہ مکان کو منہدم کر دینا وصیت سے رجوع سمجھا جائے گا۔

فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر موصیٰ بہ کسی چیز کے ساتھ اس طرح ملا دیا گیا کہ اس کی شناخت اور اصل حیثیت اور حقیقت باقی رہی تو یہ وصیت سے رجوع نہیں سمجھا جائے گا۔ حنفی فقہاء میں سے امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ اگر موصی نے وصیت سے انکار کر دیا، مثلاً یہ کہا کہ میں نے وصیت نہیں کی تو یہ بھی رجوع ہی سمجھا جائے گا۔ اس لیے کہ انکار اس کے راضی نہ ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ لہذا انکار سے رجوع ہی مراد لیا جائے گا۔ جبکہ امام محمدؒ اور شافعی اور حنبلی فقہاء کے ہاں محض انکار وصیت سے رجوع نہیں سمجھا جائے گا۔ اس لیے کہ وصیت معاہدہ ہے اور معاہدے انکار سے باطل نہیں ہوتے۔ صاحب ہدایہ نے اسی رائے کو ترجیح دی ہے۔*

۵۔ وصیت کو رد کر دینا

اگر موصیٰ لہ موصیٰ کی وفات کے بعد موصیٰ بہ کو قبول کرنے سے انکار کر دے تو وصیت باطل ہو جائے گی۔ مثلاً یہ کہے کہ میں اس وصیت کو رد کرتا ہوں، میں اس کو قبول نہیں کرتا، تو یہ مال موصیٰ کے ورثا کا ہو جائے گا۔

۶۔ موصیٰ سے قبل موصیٰ لہ کی وفات

اگر موصیٰ لہ موصیٰ سے قبل ہی وفات پا جائے تو چاروں ائمہ کی رائے یہی ہے کہ وصیت باطل ہو جائے گی، چاہے موصیٰ کو موصیٰ لہ کی وفات کا علم ہو یا نہ ہو۔ حنفی فقہاء کے

* الفقه الإسلامی وأدلته ۸: ۶۰

علاوہ باقی فقہاء کے نزدیک وصیت اس صورت میں بھی باطل ہو جائے گی جب موصلیٰ لہ موصلیٰ کی موت کے بعد قبول سے پہلے وفات پا جائے۔^۱

۷۔ موصلیٰ لہ کا موصلیٰ کو قتل کر دینا

حنفی اور حنبلی فقہاء کے نزدیک قاتل کے حق میں وصیت باطل ہو جاتی ہے، چاہے قتل کا ارتکاب وصیت سے قبل ہو یا بعد میں۔ حتیٰ کہ اگر ورثا اجازت دے دیں (کہ وصیت نافذ کی جائے) تب بھی قاتل وصیت سے محروم رہے گا۔^۲ حنبلی فقہاء کے ہاں ورثا کی اجازت کا ذکر نہیں ملتا، نیز ان کے ہاں مختلف اقوال ملتے ہیں۔^۳ اس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

۸۔ موصلیٰ بہ کا ہلاک یا ختم ہو جانا

اگر موصلیٰ بہ موصلیٰ لہ کے قبول سے پہلے ہلاک یا خرچ یا ختم ہو جائے تو وصیت باطل ہو جائے گی۔ مثلاً کسی نے جانور کے بارے میں وصیت کی مگر وہ جانور ہلاک یا ختم ہو گیا تو وصیت باطل ہو جائے گی، کیونکہ موصلیٰ بہ نہ رہا۔ اسی طرح کسی نے کسی چیز کے کچھ حصے کے بارے میں وصیت کی پھر یہ حصہ ختم ہو گیا، تو بھی وصیت باطل ہو جائے گی۔ مثلاً آدھے گھر کے بارے میں وصیت کی، پھر وہ آدھا حصہ منہدم ہو گیا، یا یہ وصیت کی کہ میرے جانوروں میں سے فلاں فلاں جانور فلاں کو دیے جائیں، پھر وہ جانور مر گئے تو ان تمام صورتوں میں وصیت باطل ہو جائے گی۔

۱۔ المغنی ۸: ۳۱۵-۳۱۶

۲۔ الهدایة مع شرحه البناية، دار الکتب العلمیة، بیروت (۲۰۰۰)، ۱۳: ۳۹۵-۳۹۷؛ الشرح الکبیر والینصاف

والمقنع، وزارت اسلامی امور سعودی عرب، ۱۹۹۸م، ۱۷: ۳۰۰-۳۰۳

۳۔ الفقہ الإسلامی وأدلته ۸: ۱۱۵

احکام موصلی الیہ (وصی)

EXECUTOR/ ADMINISTRATOR

وصی کی تعریف

موصلی الیہ یا وصی عموماً اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کو موصلی اپنے فوت ہونے کے بعد وصیت کے تحت اپنے ترکہ میں تصرفات کا حق عطا کرے۔ اگر موصلی نے کوئی وصی مقرر نہ کیا ہو تو عدالت کو اس امر کا اختیار حاصل ہوتا ہے کہ وہ اپنی جانب سے ترکہ کے انتظام و انصرام کے لیے کسی موزوں شخص کو وصی مقرر کر دے۔^۱ اصطلاحاً موصلی کا مقرر کردہ شخص 'وصی اصلی' یا 'وصی موصلی' اور عدالت کا مقرر کردہ وصی 'وصی قاضی' کہلاتا ہے۔^۲

وصی مقرر کرنے کے لیے الفاظ

کسی کو وصی مقرر کرنے کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ کسی خاص لفظ کے ذریعہ وصی بنایا جائے بلکہ ہر ایسے لفظ سے وصی مقرر کرنا صحیح ہو گا جس سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ اس کو موصلی نے اپنی وفات کے بعد اپنے ترکہ میں تصرف کا اور اپنی اولاد و اقارب کے حقوق ادا کرنے کے لیے وصی مقرر کیا ہے، مثلاً یہ کہے کہ میری موت کے بعد تم میرے وکیل ہو۔ یا میں نے اپنی اولاد کی نگرانی اپنے فوت ہونے کے بعد آپ کے سپرد کر دی، آپ میرے وصی ہوں گے، میرے مرنے کے بعد میری اولاد کی آپ حفاظت و نگرانی کریں اور ان کے لوازمات زندگی کا مہیا کرنا آپ کے سپرد ہو گا۔

۱۔ وصی سے متعلق زیادہ تر احکام ڈاکٹر تنزیل الرحمن کی کتاب مجموعہ قوانین اسلام جلد چہارم سے لیے گئے ہیں۔

۲۔ ابن نجیم، البحر الرائق ۸: ۵۸-۲۵۷

۳۔ ایضاً، ص ۲۵۸

جس طرح وصی مقرر کرنے کے لیے مخصوص الفاظ کا ادا کرنا ضروری نہیں اسی طرح یہ بھی ضروری نہیں کہ وصی صراحت کے ساتھ یہ ذمہ داری قبول کرے بلکہ اس کی طرف سے دلالت قبول کرنا بھی معتبر مانا جائے گا۔

وصی کا قبول یا رد کرنا

جب کسی شخص کو وصی مقرر کیا گیا اور اس نے موصلی کی حیات میں اس وصیت کو موصلی کے علم میں لا کر قبول کر لیا اور موصلی کی موت تک اپنے اس قبول پر قائم رہا تو اب اس کا وصی ہونا اس کے ذمے لازم ہو جائے گا، اور موصلی کی موت کے بعد اپنے آپ کو اس ذمہ داری سے سب کدوش نہ کر سکے گا، الا یہ کہ یا تو موصلی نے وصیت کے وقت بذات خود یہ شرط عائد کر دی ہو کہ وصی اپنے آپ کو معزول اور وصیت کی ذمہ داری سے سبکدوش کر سکے گا، یا یہ کہ خود وصی نے قبول کے وقت اس شرط پر قبول کیا ہو۔

اگر وصی نے قبول کرنے کے بعد رد کیا تو اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں: اول یہ کہ جس طرح موصلی کے علم میں لا کر قبول کیا تھا اسی طرح علم میں لا کر رد کر دے تو یہ رد کرنا صحیح ہو گا اور وہ موصلی کی موت کے بعد بحیثیت وصی کوئی تصرف نہ کر سکے گا۔ اور اگر موصلی کے علم کے بغیر رد کیا، یہاں تک موصلی کی موت واقع ہو گئی اور اس کو رد کا علم نہ ہو تو ایسی صورت میں اس کا رد کرنا صحیح نہ ہو گا۔

اگر وصی نے موصلی کی زندگی میں قبول کرنے یا رد کرنے سے سکوت اختیار کیا حتیٰ کہ موصلی کا انتقال ہو گیا تو موصلی کی موت کے بعد وصی کو قبول کرنے یا رد کرنے کا اختیار ہو گا۔ قبول کرنے کی صورت میں اس پر منصب و وصایت کی تمام ذمہ داریاں عائد ہو جائیں گی، ورنہ

نہیں؛ لیکن رد کرنے کی صورت میں حکم حاکم کی ضرورت ہوگی، تاکہ میت کے ورثا کو اس کے رد کرنے سے جو ضرر پہنچتا ہے اس کا ازالہ ہو جائے۔^۱

کس کو وصی مقرر کیا جاسکتا ہے؟

انسان کو اپنی حیات میں اپنے مال میں جس طرح تصرف کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے اسی طرح یہ حق بھی حاصل ہے کہ وہ یہ حق اپنی وفات کے بعد کسی دوسرے کو منتقل کر دے، خواہ یہ دوسرا شخص اجنبی ہو یا موصلی سے کسی قسم کا رشتہ رکھتا ہو، مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ وہ ان صفات سے متصف ہو جو شرعاً وصی میں موجود ہونی چاہئیں۔ چنانچہ ایک شخص اپنی اولاد کے حق میں اپنی زوجہ کو وصی مقرر کر سکتا ہے۔

وصی مقرر کرنے میں وارث ہونے یا نہ ہونے کی کوئی قید نہیں۔ چنانچہ اگر ایک شخص کا بیٹا اور حقیقی بھائی یا اعلاتی بھائی موجود ہو اور یہ شخص بیٹے کو چھوڑ کر بھائی کو وصی مقرر کر دے تو یہ تقرر صحیح ہوگا۔ اسی طرح مذکورہ صورت میں اگر بیٹے کی جگہ بیٹی ہو تب بھی بھائی کو وصی مقرر کرنا صحیح ہوگا۔

خلاصہ یہ کہ کسی بھی باشعور مسلمان مرد یا عورت کو جو موصلی کا وارث ہو یا نہ ہو وصی مقرر کیا جاسکتا ہے۔ البتہ وصی کے لیے بلوغت اور فاسق نہ ہونا بھی ضروری ہے یا نہیں، اس بارے میں ان کے ہاں مختلف آرا پائی جاتی ہیں۔ مالکی اور شافعی فقہا بلوغت اور شافعی فقہا عدالت کو وصی کے لیے شرط قرار دیتے ہیں۔^۲

وصی کی اقسام اور اختیار

وصی کا تقرر یا تو مطلق ہو گا یا مقید۔ اگر وصی کو عام طور پر یعنی بصورت اطلاق وصی مقرر کیا گیا ہو، مثلاً کہا گیا ہو کہ میں نے فلاں شخص کو، یا تم کو اپنے ہر قسم کے ترکہ میں ہر قسم

۱۔ فتاویٰ عالمگیری، مطبوعہ دیوبند ۴: ۲۴۷

۲۔ زید الایمانی، الأحکام الشرعیة فی الاحوال الشخصية، مطبوعہ مصر، ۱۹۲۰ء، ۲: ۴۱

کے تصرف کرنے کا وصی بنایا ہے یا بنادیا یا تم کو وصی قائم کیا یا تم میرے وصی ہو، ایسی صورت میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ وصی ہر قسم کے تصرف کا مالک ہوگا۔

اگر وصی کے تصرفات کو مقید کر دیا گیا، مثلاً ترکے کے مخصوص مال میں تصرف کا حق دیا گیا یا ترکے کے مال کو کسی خاص مذ میں مثلاً اجارے پر دینے یا تجارت میں لگانے کے لیے مخصوص کر دیا گیا تو اس حالت میں دیکھا جائے گا کہ وصی کا تقرر کرنے والا کون ہے خود مو وصی ہے یا حاکم عدالت۔

اگر عدالت نے یہ تقرر کیا ہے تو ایسی صورت میں جن مخصوص امور یا اموال میں اس کو تصرف کا حق دیا ہے، حنفی فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ وصی ان مخصوص امور یا اموال ہی میں تصرف کا حق رکھے گا اور اسے اس سے تجاوز کرنے کا حق نہ ہوگا، لیکن اگر مو وصی نے مذکورہ طریقے پر وصی مقرر کیا ہے تو یہ وصی امام ابو حنیفہ کے نزدیک عام تصرفات کا مالک ہوگا اور مذکورہ امور میں سے کسی امر کے ساتھ مقید نہ ہوگا۔ امام محمد کے نزدیک اس کا حکم بھی وہی ہوگا جو حاکم وقت کے وصی کا ہے یعنی اس کے تصرفات بھی مخصوص اور مقید ہوں گے۔ امام ابو حنیفہ کے قول کی بنیاد پر فقہانے تفریق کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ حاکم کا وصی مقرر کرنا ایسے شخص کا وصی مقرر کرنا ہے جس کی ولایت قضا خود مقید ہو سکتی ہے (یا ہوتی ہے) لہذا اس کے مقرر کیے ہوئے شخص کا تصرف بھی اسی درجے کا ہوگا۔ بخلاف وصی مو وصی کے، کیونکہ وہ مو وصی کا قائم مقام ہوتا ہے۔ لہذا جس طرح مو وصی اپنی حیات میں آزاد تھا اسی طرح اس کا وصی بھی ہر تصرف میں آزاد ہوگا۔ بالفاظ دیگر حاکم کا مقرر کردہ وصی وکیل کی مثل ہوتا ہے جبکہ مو وصی کا مقرر کردہ وصی اصیل کے درجے میں ہوتا ہے۔

وصی کے تقرر میں بعض قیود معتبر قرار دی گئی ہیں، مثلاً ایک شخص یہ وصیت کرے کہ فلاں شخص کے واپس آنے تک فلاں شخص میرا وصی رہے گا، تو ظاہر الروایت کے مطابق اس شخص کے آنے پر موجود وصی معزول ہو جائے گا اور آنے والا اس کی جگہ وصی قرار

پائے گا کیونکہ وصی بنانا یا تو کیل بنانا ہے یا نائب مقرر کرنا اور یہ دونوں امر مطلق یا مقید ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اسی طرح اگر ایک شخص اپنے نابالغ بچے کے حق میں یہ کہے کہ بالغ ہونے کے بعد میرا وصی ہو گا اور اس وقت تک فلاں شخص وصی رہے گا تو بچے کے بالغ ہونے کے بعد اول شخص معزول ہو جائے گا اور یہ شرط معتبر ہوگی۔*

وصی کی معزولی

تمام فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ موصلی کو یہ اختیار حاصل ہوتا ہے کہ اپنے مقرر کردہ وصی کو کسی بھی وقت منصب وصایت سے معزول کر دے۔ البتہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ وصی کو اس کی معزولی کا علم ہو۔

کیا عدالت کو وصی کو معزول کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ اس سلسلے میں وصی کو تین اقسام میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا وہ جو عادل ہو اور وصیت کیے گئے تمام امور سرانجام دینے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ ایسے وصی کے بارے میں فقہاء کا کہنا ہے کہ عدالت اس کو بلا کسی شرعی عذر کے معزول کرنے کا اختیار نہیں رکھتی۔ البتہ اگر عدالت نے ایسے وصی کو معزول کر دیا تو اس کا یہ فعل ظلم کہلائے گا، لیکن کیا وصی معزول سمجھا جائے گا۔ اس بارے میں حنفی فقہاء کے ہاں دو قول ہیں۔

دوسری قسم کا وصی وہ ہے جو عادل ہوتا تو ہے لیکن منصب وصایت کے امور مکمل طور پر سرانجام دینے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ ایسے وصی کو حاکم معزول نہیں کر سکتا، البتہ ان امور کی تکمیل کی خاطر اپنی طرف سے ایک اور شخص امین کا اضافہ کر دے گا جو اس کی کمی کو پورا کرے گا۔ لیکن وصی اگر وصیت کے امور انجام دینے سے بالکل ہی قاصر ہو تو پھر عدالت کو اس کے تبدیل کرنے کا اختیار ہو گا کیونکہ مصلحت اسی میں ہے۔

* البحر الرائق ۸: ۴۵۷

تیسری قسم کا وصی وہ ہے جو فاسق اور خائن ہو جس سے میت کے مال کے حق میں خطرہ لاحق ہو تو ایسی صورت میں عدالت کے لیے ضروری ہے کہ اس کو معزول کر کے کسی عادل شخص کو اس کی جگہ وصی مقرر کر دے۔

منصب وصایت کا ختم ہونا

بعض صورتوں میں منصب وصایت ایک خاص مدت کے بعد خود بخود ہی ختم ہو جاتا ہے، جیسے اگر وصی ایک خاص مدت کے لیے متعین کیا گیا ہو تو اس مدت کے ختم ہونے کے ساتھ ہی منصب وصایت ختم ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر وصی کو کسی خاص کام کے لیے مقرر کیا گیا ہو تو اس کام کی تکمیل ہوتے ہی اس کا منصب ختم ہو جائے گا۔

تمام فقہاء کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ وصی کی وفات کی صورت میں یا اس سے متعلقہ ضروری شرائط میں سے کسی شرط کے فوت ہونے کی صورت میں منصب وصایت ختم ہو جاتا ہے۔ اگر وصی نے منصب وصایت قبول کرنے کے بعد خود ہی اپنے آپ کو معزول کر لیا تو شافعی اور حنبلی فقہاء کے نزدیک اس کا منصب ختم ہو جائے گا جبکہ باقی فقہاء کے نزدیک اس کے لیے ایسا کرنا بغیر کسی شرعی عذر کے درست نہیں ہوگا۔

وصی کا حق اجرت

وصی کی حیثیت وکیل کی طرح ہے، چنانچہ جس طرح وکیل اپنی ذمہ داری کا معاوضہ لے سکتا ہے اسی طرح وصی بھی ذمہ داری ادا کرنے کا معاوضہ لے سکتا ہے۔ اس بات پر فقہاء میں کوئی اختلاف نہیں کہ اگر وصی ضرورت مند ہے تو پھر وہ منصب وصایت کے معاوضہ کا حق دار ہے۔ البتہ وصی ضرورت مند نہیں تو پھر اس کے معاوضہ لینے پر فقہاء میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔

حنفی فقہاء کے نزدیک راجح رائے کے مطابق وصی کو کوئی اجرت نہیں دی جاتی، لیکن بطور استحسان وہ مالِ یتیم سے بقدر ضرورت لے سکتا ہے، جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ﴾ [النساء: ۳: ۶] (جو محتاج ہو، وہ معروف طریق پر کھا سکتا ہے)۔
البتہ اگر قاضی کسی کو مروجہ اجرت پر وصی مقرر کرے تو جائز ہے۔

حنبلی فقہاء کے نزدیک موصلی اور حاکم و قاضی و کالت کی طرح وصی کا بھی معاوضہ مقرر

کر سکتا ہے۔*

* الفقہ الاسلامی وادلته ۸: ۳۶ (بحوالہ الدر المختار ورد المحتار، کشف القناع)

اہم مصادر و مراجع

- ابن عابدین، محمد امین بن عمر بن عبد العزیز، رد المحتار علی الدر المختار، دار الفکر، بیروت، ۱۹۹۲ء؛ دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۹۹۸ء
- ابن قدامہ، ابو محمد موفق الدین عبد اللہ بن احمد، المغنی، مکتبۃ القاہرہ، قاہرہ، ۱۹۶۸ء
- ابن ماجہ، ابو عبد اللہ محمد بن یزید قزوینی، السنن، دار احیاء الکتب العربیہ، بیروت،
- ابن نجیم، الأشباہ والنظائر، قاہرہ، ۱۹۶۸
- ابو داؤد، سلیمان بن اشعث بن اسحاق، السنن، المکتبۃ العصریہ، بیروت
- ابو زہرہ، أحكام التركات والمواریث، دار الفکر العربی، قاہرہ
- احمد بن محمد بن حنبل، ابو عبد اللہ، المسند، عالم الکتب، بیروت، ۱۹۹۸ء
- بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۹۸۷ء
- ترمذی، محمد بن عیسیٰ بن سورۃ بن موسیٰ، السنن، مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر، ۱۹۷۵ء
- تنزیل الرحمن، مجموعہ قوانین اسلام، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، ۱۹۷۷ء
- جرجانی، سید شریف، الشریفیۃ شرح السراجیۃ فی الفرائض، قاہرہ، ۱۹۳۳ء
- درادکہ، د- یاسین احمد ابراہیم، المیراث فی الشریعۃ الإسلامیۃ، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۹۸۰ء
- ربانی (مولانا) محمد خلیل اللہ، اصول وراثت ترکہ، خیر پور میرس، ۱۹۹۱ء
- زحیلی، ڈاکٹر وہبہ، الفقہ الإسلامی وأدلته، دار الفکر، دمشق، طبع دوم، ۱۹۸۵ء، ط ۸،
- ۲۰۰۹ء
- سرخسی، محمد بن احمد بن ابی سہل، المبسوط، دار المعرفۃ، بیروت
- سید شوکت علی، تقسیم میراث، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور
- شفیع، مفتی محمد، جواہر الفقہ، مکتبہ دارالعلوم، کراچی، ۱۹۹۹ء

• صابونی، محمد علی، الموارث فی الشریعة الإسلامية علی ضوء الكتاب والسنة، عالم الکتب، بیروت، ۱۹۸۵ء

• طبرانی، ابو قاسم سلیمان بن احمد، المعجم الأوسط، دار الحرمین، قاہرہ، ۱۴۱۵ھ

• عبدالستار حامد، الدكتور، أحكام الوصية (سلسلة أحكام الأسرة في الفقه الإسلامي)، جامعہ بغداد، ۱۹۸۶ء

• عثمانی، مفتی محمد تقی، عدالتی فیصلے، ادارہ اسلامیات، کراچی / لاہور، مارچ ۲۰۰۰ء

• عطیہ، ابو یقظان، حکم المیراث فی الشریعة الإسلامية، دار حنین؛ مکتبۃ الفلاح، اردن۔ الکویت، ۱۹۹۵ء

• عیسوی، عیسوی احمد، الوصية فی الشریعة الإسلامية، دار التالیف، قاہرہ ۱۹۵۶ء

• فرضی، ابراہیم بن عبداللہ بن ابراہیم (م ۱۱۸۹ھ)، العذب الفائض شرح عمدة الفارض، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۹ء

• مسلم، مسلم بن حجاج القشیری، الصحیح، دار احیاء التراث العربی، بیروت

• الموسوعة الفقهية، وزارت اوقاف و اسلامی امور، کویت ۱۹۸۲ء

• مودودی، سید ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور

• میاں اصغر حسین، مفید الوارثین، ادارہ اسلامیات، لاہور

• ندوی، مجیب اللہ، اسلامی فقہ، پروگریسو بکس، لاہور، ۱۹۹۱ء

• نسائی، ابو عبدالرحمن احمد بن شعیب، السنن، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب،

۱۹۸۶ء

• ویمن ایڈٹرسٹ، پاکستان، وراثت کی تقسیم۔ کیا، کیوں اور کیسے؟، اسلام آباد، ۲۰۱۱ء

- The Islamic Law of Inheritance, Hamid Khan, Oxford University Press Pakistan, 2007
- Farishta v Federation of Pakistan. (PLD 1980) Peshawar
- Allah Rakha v Federation of Pakistan, PLD 2000 Federal Shariat Court